جملہ حقوق محفوظ

جہاں میں یادگارِ نامداران یہ حکایت ہے
سبق آموزِ عالم ہے۔ کہ بعد از رنج راحت ہے

رنج و راحت

یعنی

خدیجہ بیگم کی سرگذشت

مصنفہ
اُمِ عبدَ اللہ اَز لاہُور

حسب فرمائش
اورئینٹل بُک ایجنسی لاہُور

(کریمی پریس لاہور۔ نزد کوتوالی قدیم۔ باہتمام میر قدرۃ اللہ پرنٹر)

بار دوم ۱۰۰۰

قیمت ایک روپیہ

Taj Tahir Foundation

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

پہلا باب

خوشی میں غم

خدا دیتا ہے جنکو عیش اکثر غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

میر ارادت علی خاں امرائے دربار مہاراجہ رنجیت سنگھ میں معزز شمار کئے جاتے تھے۔ گھر میں خدا کا دیا سب کچھ موجود تھا۔ لاکھوں کی جائداد تھی۔ دروازے پر ہاتھی جھومتا تھا۔ زندگی کے شیریں پھل سے بھی سیراب تھے۔ ان کے بیٹے میر جعفر علی خاں کی بیٹی خدیجہ بیگم ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک گھر کی رونق تھی۔ بیٹی تھی۔ دس کے بیاہ بننے کے سامان تھے۔ بیاہ کیا۔ تو نہایت دھوم دھام سے۔ دان جہیز دیا۔ تو دل کھول کر حیثیت سے بڑھ کر۔ کہ بیٹی کو کسی بات کی کمی نہ رہے۔ رخصت کے وقت جب جہیز کا سامان نکلا۔ تو دنیا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ واہ واہ کا غل آسمان پر پہنچا۔ برات مہاراجہ کے محلات کے نیچے سے گزری۔ شور و غل سن کر مہاراجہ نے جھروکہ سے نظر ڈالی۔ اور سامان دیکھ کر حیران ہو گئے۔ فوراً کوتوال شہر کو اشارہ کیا۔ اور پوچھا

کہ آج کس نے بیٹی رخصت کی ہے۔ کوتوال نے دست بستہ عرض کی۔

"جہاں پناہ کے خدام میں سے سوائے ارادت علی خاں گے اور کس کا دل گردہ ہے۔ کہ اس شان سے رخصت کرتا۔ کہ تمام شہر میں دھوم مچ جائے"

شام کے وقت دربار میں میر صاحب کی طلبی ہوئی۔ شاہی چوبدار میر ارادت علیخاں کی حویلی میں پہنچے۔ اور شاہی حکم سنایا۔ بیچارے میر صاحب ابھی مہمانوں سے فارغ ہی نہ ہوئے تھے۔ کہ سکھا شاہی حکم ملا۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ دربار میں جا حاضر ہوئے۔ اور مجرا بجا لائے۔ مہاراجہ نے کہا۔

"میر صاحب تم نے بیٹی کی رخصت بہت دھوم سے کی۔ اور سامان بھی خوب دیا۔ ہماری طرف سے تمہیں مبارک ہو"

میر صاحب آداب بجالائے اور عرض کی

"جہاں پناہ یہ سب حضور والا کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ کہ غلام بھی اس قابل ہوا۔ خدا لئے عالم جہاں پناہ کو تا ابد سلامت رکھے"

مہاراجہ (کچھ سوچکر) "میر صاحب۔ تمہارا شادی پر کیا خرچ اٹھا"

میر صاحب۔ دل میں اس بات سے نہایت خوش ہوئے۔ کہ شاید مہاراجہ صاحب جتنا روپیہ شادی پر خرچ ہوا ہے۔ اتنا ہی انعام مرحمت فرمائیں گے۔ اس لئے طمع کے مارے خرچ سے دگنا حساب لگا کر عرض کیا "دو لاکھ روپیہ غلام کا اس کار خیر پر صرف ہوا ہے"

مہاراجہ نے حکم دیا۔

"تو پھر دو لاکھ روپیہ تاوان (جرمانہ) کا نذر کرو"

اور کوتوالی کو حکمدیا۔ کہ جب تک تاوان ادا نہ ہو۔ میر صاحب جیل خانے کی ہوا کھائیں"

میر صاحب بیچارے دم بخود رہ گئے۔ سوچتے تھے۔ کہ سوچا کیا تھا۔ اور ہوا کیا۔ یہ تو وہی بات ہوئی۔ کہ گئے تھے روزے بخشوانے الٹی نماز ہی گلے پڑی۔

جب یہ خبر میر صاحب کی حویلی میں پہنچی۔ تو ایک کہرام مچ گیا۔ وہ گھر جو چند گھنٹے پہلے خوشی اور شادمانی سے عشرت کدہ بنا ہوا تھا۔ پل بھر میں رنج و الم کی وجہ سے ماتم کدہ بن گیا۔ جتنے بشر تھے۔ سب ایک دوسرے کا منہ تکتے تھے۔ کہ کریں تو کیا کریں۔ سکھا شاہی حکم تھا۔ جو موت کی طرح کبھی ٹلنے والا ہی نہ تھا۔

بیچارے میر جودت علیخاں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ایک طرف تو باپ حراست میں۔ تو دوسری طرف روپے کی فکر تھی۔ گھر میں جو کچھ نقد تھا۔ وہ شادی میں صرف ہو چکا تھا۔ باقی رہی جاگیر یا گاؤں۔ وہ بیچنے کھڑے ہوئے۔ تو کوئی لینے والا ہی نہ ملے۔ کیونکہ سب ڈرتے تھے۔ کہ کہیں جائداد خرید کر خود ہی مجرم شاہی نہ بنیں۔ آخر کار بڑی مشکل اور کوشش سے میر جودت علی خاں نے اپنے ایک دوست کی معرفت دہلی کے ایک نواب کے پاس دو لاکھ کی جاگیر ڈیڑھ لاکھ کو اور دس گاؤں ایک لاکھ کے پچاس ہزار کو فروخت کر کے پندرہ دن کے اندر ہی دو لاکھ روپیہ جا خزانہ شاہی میں داخل کیا۔ اور باپ کو رہائی دلوائی۔

میر ارادت علی خاں کو حراست کی شرمندگی نے ایسا پائمال کیا۔ کہ وہ رہائی سے تیسرے دن ہی راہی ملک بقا ہوئے۔ جو کچھ بچا کھچا رہ گیا تھا۔ وہ اتنا نہ ان کے سوم چہلم پر لگا۔ اور میر جودت علیخان بالکل قلاش رہ گئے۔ پاس اتنا نہ تھا۔ کہ پیٹ بھر بے فکری سے روٹی کا گذارہ چلے۔ امیر کے لڑکے تھے۔ ناز و نعم میں پرورش پائی تھی۔ کوئی ہنر بھی نہ تھا۔ کہ کچھ کما سکیں۔ انہیں تفکرات میں دیکھ کر ایک دن بیوی نے مشورہ دیا۔ کہ خود چھوٹے گھر میں اٹھ چلیں۔ اور حویلی کرایہ پر دیدیں۔ کچھ کرایہ آجائیگا۔ کچھ میں محنت کر کے حاصل کر لوں گی۔ تم کوئی فکر نہ کرو۔ خدا نے دولت دی تھی۔ اسی

نے لیلی۔ جب ہم اسے پھر کسی قابل نظر آئینگے۔ تو اس کی قدرت سے بعید نہیں۔ کہ وہ ہمیں پہلے سے بھی زیادہ دولتمند کردے"۔

الغرض دوسرے دن ہی میر صاحب سب نوکروں چاکروں کو رخصت کر آپ ایک چھوٹے سے مکان میں آگئے۔ ساتھ صرف ایک خدیجہ بیگم کی انا آئی۔ اس کو بھی بہتر کہا۔ کہ جہاں اس کا دل چاہے چلی جائے۔ ان کے ساتھ رہ کر تکلیف نہ اٹھائے۔ لیکن اس وفا کی پتلی نے انکار کردیا۔ اور کہا۔ کہ جب عیش و عشرت کے زمانہ میں ان کا نمک کھایا۔ تو اب بھی اس کا فرض ہے۔ کہ حق نمک ادا کرے

میر جودت علی خاں کی بیوی ہاجرہ گوٹہ بننا جانتی تھی۔ انا اسے گوٹہ بننے کو لادیتی اور وہ سارے دن کی لگاتار محنت سے بہ مشکل آٹھ آنے کا کام کر لیتی۔ جس سے دو دو وقت چولہا گرم ہو جاتا۔ میر صاحب نے تو جس دن سے کہ چھوٹے گھر میں آئے۔ شرم کے مارے باہر نکلنے کی قسم کھالی۔ دس روپیہ مہینہ حویلی کا کرایہ آتا تھا۔ جس سے اوپر کے اخراجات بھی بمشکل پورے ہوتے تھے۔ خدیجہ بیگم گو سات برس کی بچی تھی۔ پر تھی سمجھدار ماں کو سارا دن کام کرتے دیکھتی۔ تو کہتی۔ اچھی اماں مجھے بھی گوٹا بننا سکھا دو۔ میں بھی تمہارے ساتھ گوٹا بنا کروں گی۔ ماں کے زخمی دل پر ننھی بچی کی یہ بات نمک پاشی کرتی۔ اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ تو کہتی۔ بیٹی ابھی تم بہت چھوٹی ہو۔ جب سیانی ہوگی۔ تو سیکھنا۔ مگر خدیجہ کا شوق اسے چین نہ لینے دیتا۔ وہ ماں کو مجبور کرتی۔ تو ماں اسے کہتی۔ کہ تم انا کے ساتھ گھر کا کام کرو۔ انا جب کھانا پکانے بیٹھتی۔ تو چھوٹے چھوٹے کام خدیجہ بڑی خوشی سے کرتی۔ وقت پر اپنا سبق بھی یاد کرتی۔ اگر کسی وقت باپ سبق پڑھانے میں سستی کرتے۔ تو انہیں مجبور کر کے ان سے سبق لیتی۔ اسے ہر ایک کام کرنے کا بیحد شوق تھا۔ جس کام کے پیچھے پڑتی۔ اسے انجام دیکر ہی بیٹھتی۔ جب وہ پورے آٹھ برس کی ہوئی۔ تو اس نے ماں سے نہایت اصرار سے گوٹا بننا سیکھا۔ ابھی

Taj Tahir Foundation

خدیجہ ہر وقت گوٹا غنی نظر آتی ہے۔ وہ دن میں ایک تھان گوٹے کا بھی تیار کر لیتی اور اپنا سبق بھی برابر لیتی۔ اور اسکے ساتھ گھر کا کام بھی انجام دیتی۔ جسدن اس نے پہلا گوٹے کا تھان وتارا۔ تو اسے بیحد خوشی ہوئی۔ اگرچہ اس نے ناز ونعم میں پرورش پائی تھی اور جب سے آنکھ کھولی۔ اس نے عیش وعشرت کا سامان ہی دیکھا تھا۔ اور ابھی بچہ ہی تھی۔ کہ یہ مصیبت آپڑی۔ لیکن اس نے کبھی بھی کسی اچھی چیز کے لئے خواہش ظاہر نہ کی۔ وہ اس طرح پلٹ گئی۔ کہ گویا شروع ہی سے اسی حالت میں ہے۔ نو ساڑھے نو برس کی جان۔ اور کام کی ایسی ہوشیار۔ کہ بڑوں کو بھی بات کر دیتی۔ ماں باپ جن کے پاس لے دے کے یہ بیٹی ہی رہ گئی تھی۔ اسے دیکھ دیکھ کر پھولے نہ سماتے اور خوش ہو ہو کر خدا کا شکر ادا کرتے تھے۔

دوسرا باب

مصیبت پر مصیبت

قسمت کی بدنصیبی کو صیاد کیا کرے
سر پر گرے پہاڑ تو فرہاد کیا کرے

فلک مصیبت زدوں کو جب دراجین سے بیٹھے دیکھتا ہے۔ تو اپنی قدیمی رفتار کے بموجب ان کے زخمی دل پر کوئی نہ کوئی بہانہ جو کہ لگا کر ان کی مصیبت میں اضافہ کئے بغیر نہیں رہتا۔

میر جودت علی خاں کا مختصر کنبہ مصیبت کے سخت ایام بھلی بری طرح بسر کر رہا تھا۔ کہ انہیں ایک اور مصیبت کا سامنا ہوا۔ خانصاحب کی بیوی ہاجرہ پورے

Taj Tahir Foundation

دلوں سے تھی۔ برسات کا موسم تھا۔ کہ آدھی رات کے وقت کالی گھٹا اٹھی۔ اور یک لخت موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ ہاجرہ اور خدیجہ دونوں بہنیں جلدی جلدی بستری سنبھال دو منزلے سے اتریں۔ آگے ہاجرہ۔ پیچھے خدیجہ تھی۔ سیڑھیوں میں بلی بیٹھی تھی۔ ہاجرہ کا پاؤں بلی پر پڑا۔ تو خوف سے اس کی چیخ نکل گئی۔ اور وہ پھسل گئی۔ اور سیڑھیوں سے گر پڑی۔ خدیجہ اور خانصاحب نے جلدی سے اٹھایا۔ پورے دنوں سے تھی۔ جسم تھا بھاری۔ گرتے ہی کولا اتر گیا۔ اور ساتھ ہی درد شروع ہوگئے۔ چار دن ایسی تکلیف رہی۔ کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ بچہ پیدا ہونے میں ہی نہ آتا تھا۔ آخر شہر کی مشہور دائی آزمودہ بیگم آئی۔ تو اس کی کوشش اور خدا کی رحمت سے دو بچے توام پیدا ہوئے۔ خانصاحب کو بیٹوں کی پیدائش کی خوشی تو بہت ہوئی۔ لیکن خوشی سے زیادہ غم انہیں بیوی کی تکلیف کا تھا۔ ہاجرہ کولے کے درد سے مچھلی کی طرح تڑپتی تھی۔ اور زچگی کی بیماری سے نہائت نڈھال تھی۔ اوپر والوں کو بچوں کی رکھوالی سے ہی فرصت نہ ملتی تھی۔ کہ مریضہ کا بھی کوئی خبر گیر ہوتا۔ اوپر والے تھے ہی کون۔ خدیجہ۔ دوسری انا۔ دو بچے گھر کا کام کاج۔ مریضہ کی دیکھ بھال کرتا۔ تو کون کرتا۔ مگر پھر بھی خدیجہ کو جتنا وقت ملتا۔ وہ ماں کے آرام پہنچانے میں صرف کرتی۔ اتنا فاقہ تھا۔ کہ گھر کا خرچ بمشکل ہی چلتا۔ گوٹے کی آمدنی اس دن سے بند تھی۔ جس دن سے بچے پیدا ہوئے۔ کیونکہ خود بیمار زندگی سے لاچار۔ خدیجہ بچوں کی خبرگیری میں رہتی۔ گوٹا بنتا۔ تو کون؟ خانصاحب تھے۔ بے روزگار۔ خرچ سے ہاتھ تنگ ہوا۔ تو قرضے پر اتر آئے۔ خدیجہ دیکھنے کو تو گیارہ برس کی بچی تھی۔ مگر عقل میں لقمان تھی۔ باپ کا بیکار بیٹھنا۔ اور خرچ کا قرضے پر اٹھنا۔ اسے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ وہ سوچتی کہ ابا جان کو کس طرح کہوں۔ کہ بیکار نہ بیٹھیں۔ اور کوئی روزگار شروع کریں۔ مگر وہ کوئی ایسا موقعہ نہ پاتی۔ کہ ان پر اپنا مافی الضمیر

Taj Tahir Foundation

ظاہر کرتی۔

ہاجرہ کو بیمار پڑے دو مہینے گذر گئے۔ اب اسے بخار اور کھانسی بھی شروع ہو گئی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ہاجرہ بخار میں پڑی کراہ رہی تھی۔ خدیجہ پاس بیٹھی بھائیوں کو بہلا رہی تھی۔ اور ماں کی حالت دیکھ دیکھ کر غم کے کڑوے آنسو بہاتی تھی۔ کہ خالصا حب اپنے کمرے سے آئے۔ تو بیٹی کو روتا دیکھ کر پاس بیٹھ گئے۔ اور پوچھا۔ کیوں! بیٹی کیا ہے۔ تم رو کیوں رہی ہو۔

خدیجہ "کچھ نہیں۔ ابا جان یونہیں دل بھر آیا۔ اور رو رہی ہوں۔ مگر ......"

باپ "خدیجہ چپ کیوں ہو گئیں۔ بولو۔ مگر کے آگے کیا کہنے کو تھیں"

خدیجہ "ابا جان اجازت ہو۔ تو کچھ کہوں"

باپ "بیٹی۔ جو کچھ تمہارے دل میں ہے۔ شوق سے کہو۔ میں بڑی خوشی سے سنونگا"

خدیجہ "ابا جان۔ اماں کی بیماری طول پکڑتی جاتی ہے۔ اور ادھر گھر کا معمولی خرچ بھی قرضے سے چلتا ہے۔ اگر کچھ روپیہ ہو۔ تو اماں کا باقاعدہ علاج کیا جائے۔ تاکہ ان کی بیماری نہ بڑھے۔ اور انہیں جلدی صحت حاصل ہو"

باپ "ہاں بیٹی تمہاری خواہش درست ہے۔ مگر سارا دارومدار روپئے پر ہی ہے پہلے تو تمہاری ماں اور تم کچھ نہ کچھ اپنے بازوؤں کی مشقت سے پیدا کر لیتی تھیں۔ اب وہ بیمار اور تم بچوں کی خبر گیر ہو۔ زائد پیسہ آئے تو کہاں سے قرضہ اٹھا کر ہی خرچ پورا کرنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ مجھے ایک طرف تو یہ فکر ہے۔ کہ قرضہ کس طرح اترے گا۔ اور دوسری طرف سب فکروں سے زیادہ تمہاری ماں کی بیماری کا ہے۔ ہر وقت سوچتا رہتا ہوں۔ مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پاس اتنا نہیں۔ کہ دو وقت

Taj Tahir Foundation

انہیں اچھی طرح دوائی ہی ملے"

خدیجہ "ابا جان۔ اگر آپ مانیں تو ایک بات کہوں"

باپ "بیٹا شوق سے کہو۔ اگر مفید ہوئی۔ تو مجھے ماننے میں کوئی عذر نہیں ہوگا"

خدیجہ "میری رائے ہے۔ کہ آپ بڑی حویلی کو فروخت کر دیں۔ اس کی قیمت کا جو روپیہ آئے۔ اس میں کچھ تو قرض دے دیا جائے۔ اور کچھ اما جان کی بیماری پر خرچ کرنے کو علیحدہ رہنے دیں۔ اور باقی جو بچے۔ اس سے آپ تجارت کا کام شروع کر دیں"

باپ "بات تو معقول ہے۔ مگر مجھے تجارت کرنی آئے بھی۔ حساب تو تجارت کی جان ہے۔ اور میں حساب کے نام ہی سے ناآشنا ہوں۔ ایسی حالت میں تم ہی بتاؤ۔ کہ تجارت کیسے چلیگی۔ صرف ایک فارسی مجھے آتی ہے۔ سو اس سے کوئی کام نہیں ہو سکتا"

خدیجہ (کچھ سوچ کر) "تو ابا جان آپ اس روپے سے جو کہ بچے کچھ قابل زراعت زمین خرید لیں۔ اور نصف آمدنی پر اسے کاشتکاروں کے سپرد کریں۔ اور آپ کہیں کسی امیر کے ہاں بچوں کے پڑھانے کی ملازمت ڈھونڈیں۔ کیونکہ اب بیکار بیٹھنے کا وقت نہیں"

خاں صاحب کو بیٹی کی بات دل لگی۔ اور انہوں نے مہینے کے اندر اندر ہی حویلی کو فروخت کرکے دوسری زمین خرید لی۔ اور نصف آمدنی پر کاشتکاروں کے سپرد کر دی۔ ہاجرہ کا ہاتھ ایک لائق ڈاکٹر کو دکھایا گیا۔ جس نے دیکھتے ہی کہدیا۔ کہ اسے دق ہے۔ لاکھ علاج معالجہ کرو۔ زندگی کی امید نہیں۔ البتہ غذا اور حفاظت رکھو گے تو شاید کچھ عرصہ زندہ رہے۔

خدیجہ کو ماں کی بیماری کا سخت رنج تھا۔ وہ دن رات اس کی خدمت میں لگی

رہتی تھی۔ اور پل بھر کو بھی اس سے جدا نہ ہوتی تھی۔ خاں صاحب بے چارے نوکری کی فکر میں تھے۔ کوئی وسیلہ اور مددگار تو تھا ہی نہیں۔ جس سے مدد لیتے۔ یا جس کے وسیلے سے کہیں ملازمت ڈھونڈنے میں کامیاب ہوتے۔ یوں تو رشتے دار بہت تھے۔ مگر جس دن سے کہ ان کی قسمت نے پلٹا کھایا تھا۔ سب نے طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیں۔ کبھی جھوٹوں بھی آکر پوچھا تو درکنار۔ اگر راستے میں کہیں مل جاتے۔ تو آنکھ بچا کر نکل جاتے۔ ادھر ہاجرہ کا بھی کوئی عزیز نہیں تھا۔ ماں باپ بچپن میں ہی مر گئے تھے۔ ایک پھوپھی کا دم تھا۔ جس نے پرورش کیا تھا۔ اور اپنے ہی بیٹے سے شادی کر دی تھی۔ البتہ خاں صاحب کی ایک بہن تھی۔ جو ایک تو بیچاری دور دراز بیاہی ہوئی تھی۔ اور دوسرے خاوند ایسا ظالم۔ کہ اسے بھائی کے ہاں بھیجنا تو درکنار۔ اس کا کسی کے ہاتھ بھائی کی خیریت دریافت کرا بھیجنا بھی ناگوار گذرتا تھا۔

تیسرا باب

خوش حالی

دور دورا تیرا بس ہو چکا اے جور خزاں
پھر بہار آئی کھلے پھول گلستانوں میں

میر جودت علی خاں کی قسمت نے جب سے پلٹا کھایا تھا۔ انہوں نے باہر کی آمد ورفت موقوف کر رکھی تھی۔ ان کے مکان کے پاس ہی ایک لوہار کی

Taj Tahir Foundation

دوکان تھی۔ جو کہ تلواریں بنایا کرتا تھا۔ اگر کسی وقت گھر میں بیٹھے بیٹھے ان کا دل گھبراتا۔ تو دل بہلانے کو وہاں جا بیٹھتے تھے۔ ایک دن ملازمت کی فکر میں وہ بیٹھے بیٹھے گھبرا اٹھے۔ تو حسب دستور دل بہلانے کو ہار کی دوکان پر گئے۔ وہاں دیکھا۔ کہ ایک امیرزادہ تلواریں پسند کر رہا ہے۔

خانصاحب بھی ایک طرف بیٹھ گئے۔ امیرزادہ نے ایک تلوار پسند کی۔ اور کہا۔ اس کی قیمت بتا دو۔ میرا داروغہ تمہیں پہنچا دے گا۔ لوہار نے کہا۔ کہ میاں یہ تلوار خالص فولاد کی ہے۔ اس لئے اس کی قیمت دس اشرفی ہے۔ امیرزادہ تلوار لے کر چلا گیا۔ تو لوہار نے کہا۔

"خانصاحب۔ آپ انہیں جانتے ہیں!"

جنت خانصاحب: "دیکھا تو کہیں ضرور ہے۔ مگر میں ان کے نام سے واقف نہیں ہوں"

لوہار: "یہ نواب امیرالملک کے چوتھے صاحبزادے ہیں۔ جو آج کل تھا راجہ صاحب کے وزیر ہیں۔ وہ دیکھیئے۔ سامنے وزیر صاحب کا محل کھڑا ہے"

خانصاحب نے گردن موڑ کے محل کی طرف نظر کی۔ اور چپ ہو کر سر جھکا لیا

لوہار: "خانصاحب چپ کیوں ہو گئے۔ مجھے تو آج آپ کچھ فکرمند معلوم ہوتے ہیں۔ بتلایئے۔ گھر میں تو خیریت ہے"

جنت خانصاحب: "استاد جی۔ فکر تو مجھے آج کوئی خاص نہیں۔ اور گھر میں بھی خیریت ہی ہے۔ البتہ بیکاری سے گھبرا گیا ہوں۔ چاہتا ہوں۔ کہ کسی امیر کے بچوں کو پڑھانے کی ملازمت ہی مل جائے۔ تو کر لوں۔ اگر تمہاری نظروں میں کوئی جگہ ہو۔ تو مجھے دلوا دینا"

خانصاحب نے بات ختم کی۔ تو وزیرزادے کا داروغہ آ گیا۔ اس نے لوہار کو تلوار کی قیمت دے کر اس سے پوچھا۔ کہ استاد جی۔ یہ کون صاحب ہیں

اور کسی ملازمت چاہتے ہیں؟"

لوہار ٭جناب یہ امیر ارادت علیخاں کے صاحبزادے گردش فلک کے ستائے ہوئے ہیں۔ معلم گری کی تلاش میں ہیں۔ آپ کی نظر میں کہیں ایسی جگہہ ہو۔ تو انہیں دلوا دیجئے۔"

داروغہ ٭جگہ تو ایک ہے مگر میں آج ذکر کروں وزیر صاحب کے چھوٹے پوتوں کو قرآن مجید پڑھانے کے لئے ایک معلم کی ضرورت ہے۔ نواب صاحب سے پوچھونگا۔ اگر انہوں نے اجازت دی۔ تو ان کو نوکر بھیج کر بلوا لونگا۔ (خالصاحب کی طرف مخاطب ہوکر) آپ اپنے مکان کا پتہ بتا دیجئے۔ تاکہ نوکر کو مکان کی تلاش میں دقت نہ ہو۔"

خالصاحب نے داروغہ کو اپنے مکان کا پتہ بتایا۔ اور جب وہ چلا گیا۔ تو دوکان سے اٹھ کر کچھ امید دل میں لئے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ اور کل کیفیت خدیجہ بیگم کو کہہ سنائی

صبح کا سہانا وقت تھا۔ خالصاحب نماز پڑھ۔ قرآن شریف کی تلاوت سے فارغ ہوکر ابھی بیٹھے ہی تھے۔ کہ کسی کی بلانے کی آواز کان میں آئی۔ کل کی بات کا دھیان تھا لپک کر باہر گئے۔ دیکھا کہ نواب صاحب کا چپراسی کھڑا ہے اس نے کہا۔ آپ کو داروغہ جی بلاتے ہیں۔ آٹھ بجے سے پہلے پہلے محل میں آ پہنچ جائیے۔ خالصاحب نے کہا۔ داروغہ جی کو کہہ دیجئے۔ میں وقت پر حاضر ہوجاؤنگا

خدیجہ باپ کے باہر جانے پر کسی بات کی امید میں بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کہ خالصاحب ہنستے ہوئے آئے۔ اور کہا۔ لو خدیجہ مبارک ہو۔ نواب صاحب کا چپراسی بلا گیا ہے۔ آٹھ بجے مجھے وہاں جانا ہے۔ تم میرے کپڑے تیار رکھو۔ تاکہ غسل کرکے بدل لوں۔

وقت مقررہ پر خاں صاحب نواب صاحب کے در دولت پر جا حاضر ہوئے۔
داروغہ جی نے انہیں نواب صاحب کے روبرو پیش کیا۔ نواب صاحب نے ان سے دو چار باتیں کیں۔ جن کا جواب خانصاحب نے نہایت ادب ولیاقت سے دیا نواب صاحب خانصاحب کی لیاقت سے نہایت خوش ہوئے۔ اور بیس روپے ماہوار تنخواہ اور دو وقت کا کھانا مقرر کیا۔ اور کہا کہ دن کا کھانا وہیں کھالیا کریں۔ اور شام کا کھانا گھر بھیجدیا جایا کرے گا:

خانصاحب نے دونو بچوں کو قاعدہ شروع کردیا۔ جس کے انعام میں نوابصاحب نے ایک معقول خلعت اور پانچ اشرفیاں عطا کیں۔ اور ایک خوان مٹھائی کا دیا۔ اور دو گھنٹے صبح اور دو گھنٹے شام لڑکوں کو پڑھانے کا وقت مقرر کیا۔

گیارہ بجے تو خانصاحب لدے پھندے گھر آئے۔ بیوی بیوی انہیں دیکھ کر شکر خدا بجالائیں۔ خانصاحب نے کہا۔

"خدیجہ! یہ سب تمہاری ہی کوشش اور عقلمندی کا نتیجہ ہے۔ کہ تم نے اپنی عقلمندی کو کام میں لاکر مجھے اس بات پر متوجہ کیا۔ جس کا پہل آج اس صورت میں ظاہر ہوا۔"

شام کو نواب صاحب کے ہاں سے کھانا آیا۔ جو کہ تھا۔ تو ایک آدمی کے نام کا لیکن چاروں نے پیٹ بھر کر کھایا۔

خانصاحب کی محنت سے نواب صاحب کے دونو پوتوں نے ایک سال میں قرآن شریف ختم کرلیا جس کے انعام میں انہیں معقول روپیہ ملا۔ نواب صاحب کو خانصاحب کی فہم و فراست و خوش اخلاقی ایسی پسند آئی۔ کہ انہیں اپنے مصاحبوں میں داخل کرلیا۔ اب تنخواہ بھی بیس سے پچاس ہوگئی۔ زمین کی آمدنی بھی اچھی ہونے لگی۔ گھر کا انتظام خدیجہ کے سپرد تھا۔ وہ روپیہ کی جگہ پیسہ

اور پیسے کی جگہ دھیلہ خرچ کرتی۔ اور باقی جمع کرتی۔ جس سے گھر میں بہت ہی خوشحالی ہوگئی۔ ایک ماما کام کاج کو۔ دو ایک بوڑھا آدمی ڈیوڑھی پر مقرر ہوا ایک بچہ اماں کے پاس رہتا۔ اور دوسرا خدیجہ کے پاس۔ ہاجرہ کی بیماری ترقی پکڑتی گئی مگر وہ اپنے گھر میں خوش حالی دیکھ کر بہت خوش تھی۔

اب خدیجہ جوان ہوئی۔ ایک تو تھی خوب صورت۔ دوسرے تعلیم یافتہ اور اس پر اس کی عقلمندی اور سلیقہ شعاری سونے پر سہاگہ تھی۔ وہ ہر ایک سے نہایت اخلاق سے پیش آتی - نوکر۔ چاکر۔ ہمسائے۔ آیا۔ گیا۔ سب اسی کے مداح تھے۔ خدیجہ کی عقلمندی کا چرچہ دور دور پھیل گیا۔ وہ رشتے دار جو کبھی ملنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ اب ہاجرہ کی عیادت ہی کے بہانے آنے شروع ہوگئے۔ جو رشتہ دار عورت آئی۔ وہ خدیجہ کی عقلمندی اور خوش اخلاقی اور سلیقہ شعاری کا گہرا نقشہ دل پر لے کر جاتی۔ اس لئے ہر ایک رشتے دار عورت کی یہی خواہش تھی۔ کہ خدیجہ میری بہو بنے۔ اس واسطے ہفتے میں ضرور ہی ایک دو درخواستیں خدیجہ کی خواستگاری میں خاں صاحب کے پاس آتیں

ہاجرہ کی دلی خواہش تھی۔ کہ خدیجہ کی شادی جلدی ہو۔ تاکہ وہ بھی کچھ خوشی دیکھ لے۔ کیونکہ بیماری سے اس کو اپنی زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں رہا تھا مگر خاں صاحب کو کوئی گھر پسند ہی نہ آتا تھا۔ ہاجرہ اصرار کرتی۔ تو کہتے۔

"میں خدیجہ کو کبھی اپنے رشتہ داروں میں نہ دونگا۔ کیونکہ مصیبت میں تو کسی نے بات تک نہ پوچھی۔ اب خدا نے میرے دن پھیرے۔ تو اب مکھیوں کی طرح جمع ہونے لگے ہیں"

Taj Tahir Foundation

چوتھا باب

مرگ

نہ کوئی پیش چلی عذر نہ انکار ہوا
جب بشر موت کے پنجہ میں گرفتار ہوا
اسقدر موت کی ہی نیند مزے کی تھی — جو کوئی سویا نہ اس نیند سے بیدار ہوا

گرمیوں کے دن تھے۔ ڈوبتے سورج کی سنہری مائل زرد کرنیں بڑی حسرت سے شہر کی در و دیواروں سے گلے مل مل کر رخصت ہو رہی تھیں۔ ہاجرہ کو دو برس ہو چکے تھے۔ بیماری میں گھل گھل کر قریب المرگ ہو رہی تھی۔ اس کا پلنگ خدیجہ انا کی مدد سے باہر صحن میں نکال لائی۔ اور اپنی لگائی ہوئی موتیا گلاب کی کیاریوں کے پاس بچھا دیا۔ اور آپ پاس بیٹھ کر پنکھا ہلانے لگی۔ الفت اور راحت دونو بھائیوں کو بھی انا وہیں لے آئی۔ دونو بچے پورے دو سال کے تھے۔ ان کی بھولی بھالی صورت اور توتلی باتیں بہت پیاری معلوم ہوتی تھیں۔ اپنے تو اپنے بیگانوں کو بھی ان پر پیار آتا تھا۔ ہاجرہ نے بچوں پر ایک نظر ڈالی اور بڑی حسرت سے ٹھنڈی سانس بھری۔ اور خدیجہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"پیاری بیٹی میں اب کوئی دم کی مہمان ہوں۔ یہ دونوں بچے تیرے ہی سپرد ہیں۔ آگے بھی تو ہی ان کی رکھوالی کرتی تھی۔ اب بھی یہ معصوم تیرے ہی آسرے پر ہیں۔ میری پیاری ان کو کبھی آزردہ نہ ہونے دینا انہیں جان کے برابر عزیز رکھنا۔ خدا تجھے اس کا اجر دیگا۔ پیاری خدیجہ رو نہ

Taj Tamir Foundation

یہ دنیا مقام فانی ہے - جو یہاں آیا - اُسے جانا ضرور ہے - عقلمند وہ ہے - جو خدا کی رضا پر راضی رہے - میری بیٹی تم عقلمند ہو - بھلا بُرا سمجھ سکتی ہو - اس لئے جو بات کرنا سوچ سمجھ کر کرنا - تا کہ پشیمانی سے بچی رہو - بقول شاعر -

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

میری بچی گو کہ تم اس گھر کی منتظم ہو - اور بھلے برے کی ذمہ دار ہو - مگر ایک دن وہ بھی آئیگا - کہ تم دنیا کی گاڑی میں جوتی جاؤ گی - اور ازدواج کا مقدس جوا تمہارے کاندھے پر ہوگا - نئی دنیا ہوگی - نئے نئے لوگ ہونگے قدم قدم پر مشکلات کا سامنا ہوگا - میری اچھی خدیجہ اس وقت عقل کو راہبر بنانا - صبر کو حرزِ جان رکھنا - خاموشی کو غذا منصور کرنا - سب کی خدمت کرنی فرض اولین جاننا - سرمہ بن کر سب کی آنکھوں میں گھسنا - نوکندن بن کر گلے میں پڑنا - تو تیرا بیڑا پار ہوگا - اور تو لعلوں کی لعل ہوگی شام کو ہاجرہ نے بڑی اچھی طرح کھانا کھایا - اور سر شام چادر تان کر تندرستوں کی طرح سو گئی - خدیجہ کو اطمینان ہوا - کہ ماں کی صحت آج اچھی حالت میں ہے - ٹھیک رات کے تین بجے تھے - کہ ہاجرہ پر نزع کی حالت طاری ہو گئی - خدیجہ جو دن بھر کی تھکی ماندی تھی - کام کاج سے فراغت پا کر گیارہ بجے رات کے سوئی تھی - صبح اٹھی دیکھا - تو ماں ملک عدم کی تیاری میں ہے - کچھ نہ سوجھا وضو کیا - قرآن پاک لے ماں کے پاس بیٹھ گئی - اور نہایت خوش الحانی سے سورہ یسین کی تلاوت کرنے لگی - ہاجرہ نے کلام پاک سن کر آنکھیں کھولیں - اور جب خدیجہ نے سورہ ختم کی - تو نہایت کمزور آواز سے کہا -

"خدیجہ - الفت و راحت کو جگاؤ - میں انہیں جی بھر کر دیکھ لوں"!

Taj Tahir Foundation

انا دونوں بچوں کو جگا لائی۔ ہاجرہ نے باری باری سے دونوں کو گلے لگا کر خوب دل کھول کر پیار کیا۔ اور تینوں بچوں کے ہاتھ شوہر کے ہاتھ میں دیکر کہا۔ "یہ بن ماں کے رہ جانے والے بچے ہیں۔ انہیں محبت و پیار سے رکھنا کبھی ان کے دل پر میل نہ آنے دینا۔ ان کا دنیا میں سوائے تمہارے کوئی نہیں ہے۔ اس لئے ہمیشہ ان پر کڑی نظر رکھنا۔ یہ معصوم ہیں یہ پھول ہیں۔ تمہارے ذرا سے غصے کی نظر سے ان کے دل ٹوٹ جائینگے ان کے پھول سے چہرے کملا جائینگے۔ میں نامراد و ناشاد دنیا سے چلی ہوں۔ خدا تمہیں ان کی خوشیاں دیکھنی نصیب کرے۔ اور ان کے سر پر تمہیں سلامت رکھے"۔ ہاجرہ نے اتنا ہی کہا تھا۔ کہ اس پر غشی طاری ہوگئی۔ ادھر موذن نے صبح کی نماز کے لئے نعرۂ توحید بلند کیا۔ ادھر ہاجرہ کی روح قفس عنصری سے عالم جاودانی کو پرواز کر گئی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

ہاجرہ کی موت سے خدیجہ پر غم والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ دنیا آنکھوں میں اندھیر ہوگئی۔ موت بھی کس کی موت! پیاری شفیق ماں کی موت۔ جس کو ہر وقت آنکھیں ڈھونڈیں گی۔ مگر وہ صورت جو خاک میں پنہاں ہوگئی کبھی نظر نہ آئیگی۔ اس کا دل اس جانکاہ حادثے سے چور چور ہوگیا۔ مگر اس جفاکش لڑکی نے صبر کو ہاتھ سے نہ دیا۔ گو کہ عمر چھوٹی تھی۔ مگر تکلیفیں سہتے سہتے صبر کی عادی ہوگئی تھی۔ اس لئے وہ ماں کی موت کے صدمے کو پانی کے گھونٹ کی طرح پی گئی۔ صرف اس لئے۔ کہ میں رنج و غم میں ڈوبی رہوں گی۔ تو ان معصوموں کی پیروی کون کریگا۔ پرسا دینے کو میر صاحب کی دوست و عزیز۔ محلے کی سب رشتے والی

Taj Tahir Foundation

عور نہیں آئیں۔ حتیٰ کہ نواب بیگم کی خاص مغلانی بھی آکر تین دن رہی۔ خدیجہ نے ماں کا سوم فاتحہ اس طریقہ سے کیا۔ کہ نہ تو کوئی فضول مصارف اٹھایا۔ کہ قرضے کی نوبت آئے۔ اور نہ کنجوسی اختیار کی۔ کہ دکھاوا نام رہے۔ اس نے روز دل سے باپ کو کوئی پیسہ فضول نہ اٹھانے دیا۔ اور جہاں تک ہو سکا ماں کی روح کو ثواب پہنچانے کا کام کیا۔ تین دن کی مہمانداری میں خدیجہ کی عقلمندی و سلیقہ شعاری کی دھوم دور دور تک پھیل گئی۔

پانچواں باب

عروج

آئی بہار پھول کھلے باغ میں مگر
غنچہ ہمارے دل کا ابھی تک کھلا نہیں

نواب صاحب کے پوتوں کی شادی ختنہ تھی۔ نواب بیگم نے بڑی خواہش سے شادی ختنہ میں خدیجہ بیگم کو مدعو کیا۔ کیونکہ مغلانی نے خدیجہ کے حسن و اخلاق کی تعریفیں کر کر کے بیگم کو خدیجہ کا نادیدہ عاشق بنا دیا تھا۔

خدیجہ جو کبھی کہیں کسی محفل میں گئی ہی نہ تھی۔ وہ اتنی بڑی محفل میں جاتے ہوئے ہچکچاتی تھی۔ مگر نواب بیگم کی مغلانی خود آکر اسے لے گئی۔ خدیجہ نے باپ کے اصرار سے ایک دو زیورات معہ شادی ریشمی پوشاک پہنی۔ جس سے اس کا حسن دوبالا ہو گیا۔ نواب صاحب کے محل میں داخل ہوتے ہی نواب صاحب سے سامنا

ہوا۔ وہ ایک نامحرم شخص کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ اور جلدی سے ہٹ کر دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔ نواب صاحب نے مغلانی سے کچھ پوچھا۔ اور باہر چلے گئے۔ خدیجہ نے مغلانی سے شکایت کی۔ کہ تو مجھے کیوں ایسے راستے لائی۔ جہاں کہ مردوں کا سامنا ہو۔ مغلانی نے کہا۔

"پھر کیا ہوا۔ وہ کون ایسے تھے۔ آپ تو ان کی پوتیوں کے برابر ہیں"۔

خدیجہ چار دن نواب صاحب کے ہاں مہمان رہی۔ اس کی خوش اخلاقی اور ملنساری و سادہ مزاجی کی بڑی بڑی بیگمات مداح ہو گئیں۔ جس کسی نے اس سے ایک دفعہ گفتگو کی۔ وہ اس کی بھولی دلفریب صورت اور شیریں گفتاری کی دل دادہ ہو گئی۔ اس محفل میں کئی لڑکیاں خدیجہ کو سہیلی بنانے کی خواہشمند ہوئیں۔ مگر خدیجہ نے عقلمندی سے سب سے احتراز کیا۔ اس خیال سے کہ امیروں اور غریبوں کا میل مناسب نہیں ہوتا۔

سہ پہر کو مہمان رخصت ہوئے۔ شام کو اچھی بھلی نواب بیگم نے کھانا کھایا۔ آدھی رات کو پسلی میں درد اٹھا۔ اور ساتھ ہی بخار نمودار ہوا۔ چار دن کے بخار سے بیچاری بیگم ملک عدم کو سدھاریں۔

بیگم کی وفات سے نواب صاحب اکیلے رہ گئے۔ بیٹے تھے چار دن وہ اپنے اپنے گھر کے۔ بیٹی تو تھی نہیں۔ کہ بڑھاپے میں خدمت کرتی۔ وہ تنہائی سے تنگ آئے۔ تو انہیں دوسری شادی کا خیال سوجھا۔ چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ کہ کوئی ایسی لڑکی نظر آئے۔ جو عقلمند اور سلیقہ والی ہو۔ اور ہو بھی خوب صورت۔ مگر عزیزوں میں کوئی لڑکی پسند نہ آئی۔ اگر آئی بھی۔ تو بوڑھے کھوسٹ کو دیتا کون۔ لے دے کے اب نظر میر جود نعلی خاں پر پڑی۔ خدیجہ کی عقلمندی کا شہرہ سن چکے تھے۔ اس کی صورت بھی دیکھی

ہوئی تھی۔ پس دل میں وہ ہی کھب گئی۔ مگر زبان سے نکالتے ہچکچاتے تھے۔ کہ شاید میر جودت علی خاں نہ مانیں۔ تو بات کرکری ہو جائے۔ الغرض سوچ بچار کرتے کرتے دل میں خیال اٹھا۔ کہ لاؤ۔ میر صاحب کو احسان میں دباؤ۔ تاکہ احسان کے دباؤ میں آکر بیٹی دیدے۔ یہ منصوبہ دل میں گانٹھ کر دوسرے دن میر جودت علیخاں سے کہا۔

"خانصاحب۔ مجھے آپ سے بھائیوں کی طرح محبت ہو گئی ہے۔ میں نہیں چاہتا۔ کہ آپ پستی کی حالت میں رہیں۔ میں آپ کو اپنے جیسا ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس لئے میری خواہش ہے۔ کہ اگر آپ کو کچھ سپاہانہ ہنر آتے ہوں۔ تو میں آپ کو فوج میں کوئی عہدہ دلوا دوں۔"

خانصاحب:۔ "نواب صاحب۔ میرا نوک روان آپ کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔ آپ کے احسانات کے بوجھ سے میری گردن نہیں اٹھ سکتی۔ اور نہ میرا دل آپ کے قدموں سے جدا ہونے کو چاہتا ہے۔ مگر آپ کے حکم سے مجھے انکار نہیں۔ اس لئے غرض ہے۔ گو میں نے کبھی فوج میں نوکری نہیں کی۔ مگر آبا و اجداد سپاہانہ پیشہ رکھتے تھے۔ اس لئے میں بھی اس فن سے محروم نہیں رہا۔ بچپن سے میرے تیر کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوا۔ جب کبھی میں والد مرحوم کے ہمراہ شکار کو گیا۔ تو وہ مجھے تیر اندازی کرتے دیکھ کر کہا کرتے۔ کہ میرا بیٹا کسی دن مشہور تیر انداز ہوگا۔ ایک دفعہ شکار میں مجھ پر شیر نے حملہ کیا۔ تو میں نے ایک ہی تلوار میں شیر کا کام تمام کر دیا۔ میری شادی ہوئی۔ تو میں نے دنیا داری کے جنجال میں پھنس کر اس فن سے لاپرواہی کی۔۔۔۔۔اب

بھی اگرچہ مدت سے میں نے تلوار ہاتھہ میں نہیں پکڑی۔ مگر پھر بھی اگر میں چند دن کثرت کروں۔ تو دس پر بھاری ہوں "

الغرض چند دن توقف کر کے نواب صاحب نے مہاراجہ صاحب سے سفارش کی۔ اور کوشش بلیغ کو کام میں لا کر خاں صاحب کو فوج میں کرنیل کا عہدہ دلوا دیا۔ اور انعام میں خاصی جاگیر بھی دلا دی۔

خانصاحب نوابصاحب کے احسانات کے بوجھ میں دبے جاتے تھے۔ اور دل میں سوچتے تھے۔ کہ کوئی ایسا موقعہ ہو۔ کہ میں کچھہ نواب صاحب کے احسانوں کا بدلہ اتار سکوں۔ مگر کوئی سبب ایسا نہ پاتے تھے۔ کہ جس سے نواب صاحب کے احسانات سے سبکدوش ہوتے۔

خدیجہ جس نے مفلسی کی حالت میں باپ کے گھر کو اپنے حسن سلیقہ سے رشک ارم بنا رکھا تھا۔ تو اب اس نوکری کی حالت میں تو بالکل نمونۂ فردوس بنا دیا۔ اس کے انتظام و سلیقہ شعاری سے گھر کا کارخانہ بالکل نوابی معلوم ہوتا تھا۔ وہ اپنے گھر کی خوشحالی و دولت مندی کو دیکھہ دیکھہ کر بہت خوش ہوتی۔ اور خدا کا شکر ادا کرتی۔ مگر ماں کی موت کی خلش اس کی خوشی کو ملیا میٹ کئے ہوئے تھی۔ وہ ماں کو ہر دم یاد کرتی۔ اور بعض وقت دل میں سوچتی۔ کہ اگر اماں آج ہوتیں۔ تو اپنے اس عروج کے زمانے سے اس کا دل نہایت ہی شادمان ہوتا۔

چھٹواں باب

شادی

سنبھل سنبھل کے بگڑتا ہے کچھ دل بیتاب
الہٰی آج یہ صدمہ ہے جان پر کیسا

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ایک دن خانصاحب نواب کے پاس اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ نواب صاحب کو تنہائی کا موقعہ غنیمت معلوم ہوا۔ اور انہوں نے خانصاحب سے خدیجہ کی خواستگاری کی۔ اور دولت وحشمت کے وہ سبز باغ دکھلائے۔ اور چاپلوسی سے اس طرح تالیف قلوب کی باتیں کیں۔ کہ خانصاحب کو نواب صاحب کی درخواست بری معلوم نہ ہوئی۔ اور جواب دیا۔ کہ سوچ کر اس بات کا جواب دونگا۔

خانصاحب۔ نواب صاحب کی درخواست پر غور کرتے۔ تو سوائے نواب صاحب کی سن رسیدگی کے ان میں اور کوئی برائی نہ پاتے۔ تو اس رشتے کو دل سے پسند کرتے۔ مگر بعض وقت ان کا دل نواب صاحب کی سن رسیدگی کی وجہ سے چاہتا۔ کہ اس رشتہ داری سے انکار کردیں۔ مگر ان کی دولت وثروت ۔۔ یہ خیال دل سے نکال دیتی۔ اور وہ کہہ اٹھتے۔ کہ بلا سے سن رسیدہ ہیں۔ تو دولت وحشمت تو بیشمار ہے۔ لڑکی ساری عمر بیٹھی راج کرے گی۔ دوسری طرف نواب صاحب کے احسانات کا بھی خیال تھا۔ کہ انہوں نے مجھے خاک سے اٹھا کر بلندی پر چڑھایا۔ غرض اسی

سوچ میں رہنے لگے۔ فکرمندی کے سبب ان کی بھوک اڑ گئی۔ کوئی صلاح کار ایسا نہ تھا۔ کہ جس سے مشورہ لیتے۔ خدیجہ باپ کو فکرمند دیکھتی۔ تو اس کا دل کڑھتا۔ مگر ان سے دریافت نہ کر سکتی تھی۔ کہ فکرمندی کا سبب کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ دیکھتی تھی۔ کہ اس کے لئے ہر روز اک نہ اک نیا پیغام آتا ہے۔

آخر اس نے اپنی انا کو اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ وہ ابا سے ان کی فکرمندی کا باعث دریافت کرے۔

انا چونکہ عرصہ دراز سے خانصاحب کے ہاں تھی۔ اور مصیبت میں ان کی رفاقت سے منہ نہ موڑا تھا۔ اس لئے خان صاحب اس کا لحاظ کرتے تھے۔ ایک دن موقعہ پا کر انا نے نہایت دل سوزی سے خانصاحب کے متفکر رہنے کا سبب دریافت کیا۔ خانصاحب جو ایسا ہی ہمدرد اور صلاح کار چاہتے تھے۔ وہ انا کی ہمدردانہ گفتگو سے نہایت خوش ہوئے اور اس پر اپنا منشا ظاہر کیا۔ اور متفکر رہنے کا سبب بتایا۔ انا نے کہا۔

"خانصاحب۔ گھرانہ تو بہت اچھا ہے۔ ذات پات بھی ٹھیک ہے صرف نواب صاحب کی عمر زیادہ ہے۔ مگر میرے خیال میں اس بات کی زیادہ فکر نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ آج کل جوانوں کا بھی کوئی بھروسہ نہیں بڑے بڑے کڑیل جوان دم بھر میں مر جاتے ہیں۔ رہی دھن دولت وہ تو بے شمار ہے۔ لڑکی ساری عمر بیٹھی راج کرے گی۔ آپ بسم اللہ کر کے ہاں کر دیجئے"۔

ایک تو خانصاحب کا ارادہ خود ہی تھا۔ پر انا کی صلاح نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اور انہوں نے جھٹ پٹ منگنی . . کر کے شادی کا دن مقرر کر دیا۔ خدیجہ کو جب معلوم ہوا۔ کہ میرا پیوند نواب صاحب سے ہوا ہے۔ تو

Taj Tahir Foundation

وہ حیران رہگئی۔ کیونکہ نواب صاحب ساٹھہ سال سے بھی زیادہ عمر کے۔ اور وہ ابھی چودہ برس کی بھی پوری نہ تھی۔ یہ جوڑ کیسے مل سکتا تھا۔ اس کے دل کو نہایت درجہ رنج ہوا۔ اور یہ بات اسے یاد آ کر اس کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کئے دیتی تھی۔ کہ باپ نے محض دولت کے لالچ میں آ کر مری قربانی کرنی منظور کی ہے اس کا دل چاہتا۔ کہ وہ ابھی شادی سے انکار کر دے۔ مگر کنوارپنے کی مہر ایسی منہ پر لگی تھی۔ جو کہ ہونٹ ہلانے نہ دیتی تھی۔ اور وہ یاسمنت کہہ کر غم کا تلخ جام پی جاتی تھی۔

وہ شب و روز اسی غم میں رہنے لگی۔ رنج و فکر سے اس کی بھوک اڑ گئی۔ وہ چہرہ جو کبھی گلاب کی پتی کی طرح سرخ تھا۔ اس پر زردی چھا گئی۔ باپ سمجھتے تھے کہ اسے ماں کے نہ ہونے کا غم ہے۔ کیونکہ قدرتی بات ہے۔ کہ خوشی کے موقعہ پر اپنے پیارے عزیزوں کی یاد آ کر دل کو بہت بیقرار کئے رہتی ہے۔ وہ خیال کرتے کہ شادی ہو جائے گی۔ تو یہ رنج و غم سب جاتا رہیگا۔ لیکن خدیجہ کے دل سے کوئی پوچھے۔ تو وہ یہ شادی شادی نہیں سمجھتی تھی۔ بلکہ اپنے حق میں بربادی سمجھتی تھی۔ اس لئے۔ کہ نواب صاحب اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ گذار چکے تھے۔ اب ان کی زندگی کا کیا بھروسہ تھا کیونکہ پکا پھل تھا۔ باد مخالف کے ایک ہی جھونکے سے اس کے گرنے کا اندیشہ تھا۔ خدیجہ ابھی نئی کونپل تھی۔ وہ سوچتی۔ تو گھبرا اٹھتی۔ آخر اسی رنج و فکر میں وہ دن آ پہنچا۔ کہ وہ والدین کے گھر کو خیرباد کہے۔

وہ میکے سے رخصت ہو سسرال پہنچی۔ تو قفس سے نکلتے ہی بیٹوں کی ماں۔ بہوؤں کی ساس۔ پوتے پوتیوں کی دادی کہلانے لگی۔ کیونکہ ماشاءاللہ نواب صاحب کے چاروں بیٹے نوجوان بیاہے ہوئے۔ بڑے صاحب اولاد

تھے۔ خدا جھوٹ نہ بلائے۔ تو درجن ڈیڑھ درجن پوتے پوتیاں تھیں۔ بڑی پوتی خدیجہ کی ہمسن تھی۔ بڑا پوتا۔ خدیجہ سے تین برس بڑا تھا۔ بیاہا ہوا ایک بچے کا باپ تھا۔ نواب صاحب کے بیٹوں کو باپ کی شادی کرنی نہایت ناگوار تھی۔ اور انھوں نے باپ کو شادی سے روکنا بھی چاہا۔ لیکن نواب صاحب نے کسی کی بات نہ مانی۔ اور سب کو ناراض کر کے شادی کر لی تھی۔ خدیجہ خود بھی اپنی شادی سے ناراض تھی۔ لیکن اس نے اپنی ناراضگی کبھی بھی باپ پر یا شوہر پر ظاہر نہ ہونے دی وہ شوہر کی خدمت گذاری میں ہمہ وقت مصروف رہتی۔ نواب صاحب جو بوجہ بڑھاپے کے کسی نہ کسی بیماری میں گھرے رہتے تھے۔ خدیجہ انھیں آرام پہنچانے میں دل و جان سے مصروف رہتی۔ ایک طرف تو اسے ہر وقت شوہر کی بیماری کی فکر دامنگیر رہتی۔ تو دوسری طرف اسے بہو بیٹیوں کی طعنہ آمیز باتیں سننی پڑتیں۔ اور پوتے پوتیوں کی تمسخر آمیز ہنسی اسے برداشت کرنی پڑتیں۔ وہ ان تکلیفوں کے باعث سوکھ کر کانٹا ہو گئی۔ اس کا وہ ڈیل ڈول ہی نہ رہا۔ اس کا چہرہ دن رات کے فکروں کے سبب پژمردہ ہو گیا خوشی اس سے کوسوں دور ہو گئی۔ وہ بشاش رہنے کی کوشش کرتی۔ مگر اس کی اندرونی فکر اسے بشاش نہ ہونے دیتی۔ نواب صاحب اس کا دل بہلانے کو طرح طرح کے زیور اور کپڑا لاتے۔ جسے وہ بڑی خوشی سے قبول کرتی۔ مگر اس کے دل کی کلی کسی طرح نہ کھلتی تھی۔ اور وہ آئندہ کی فکر میں ہر دم بےچین رہتی۔

Taj Tahir Foundation

ساتواں باب

والدین کی بربادی

یہ ماجرا نہیں کھلتا ہے نقش پا کی طرح
بنا کے کیوں انہیں اللہ نے بگاڑ دیا

خدیجہ کی شادی کو سوا برس گذرا۔ کہ خدا نے اسے چاند سی بیٹی عطا کی۔ نواب صاحب بیٹی کی پیدائش سے بہت خوش ہوئے۔ کہ چار بیٹے تھے۔ مگر ایک بیٹی کی کمی تھی۔ وہ بھی خدا نے پوری کی۔ خدیجہ بھی گود بھری ہونے سے خوش تھی۔ مگر بعض وقت اسے یہ خیال آکر بے چین کر دیتا۔ کہ اگر بیٹا ہوتا تو مصیبت میں کام آتا۔ بیٹی ذات خود ہی پرایا دھن ہے۔ مگر اب فرخندہ کے پیدا ہونے سے خدیجہ ہر وقت کے سوچ بچار میں کمی ہو گئی۔ کیونکہ وہ بچی کے خیال میں لگی رہتی تھی۔ اور اسے بہت کم وقت ملتا تھا۔ کہ وہ کسی فکر کو دل میں جگہ دے۔ نواب صاحب کے بیٹوں کو بہن کا ہونا بہت ناگوار گذرا۔ وہ باپ کی جائداد کے چاروں وارث تھے۔ اب ایک اور پانچویں شریک بھی آ گئی۔ جو کہ ان کے مقابلے میں بہت سی جائداد لے جائیگی وہ خدا سے چاہتے۔ کہ لڑکی کو کسی کی آئی آ جائے۔ مگر فرخندہ کو ان کی بد دعائیں اکسیر ہو کر لگتیں۔ اور وہ دن دونی رات چوگنی ہوتے جاتی تھی۔ خدیجہ اپنے گھر میں خوش تھی۔ اور زندگی کا جو وقت مسرت و شادمانی سے گذرتا تھا۔ اسے غنیمت جانتی۔ کہ یکایک اس پر مصیبت کا پہاڑ

Taj Tamir Foundation

ٹوٹ پڑے۔ کیونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات پر اس کی رانی اور فوج میں تنازع شروع ہوئی۔ آپس کی خانہ جنگیوں کا بازار گرم ہوا۔ عقلمند امرائے دربار نے برٹش حکومت کی طرف رجوع کیا۔ جس نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی پل بھر میں قلع قمع کیا۔ جو مفسد حکومت ہند میں آگئے۔ اپنی مفسدی اور فتنہ پردازی کے سبب سے گھن کی طرح پیسے گئے۔ نواب صاحب کے بیٹے باپ کی ازدواجی کے سبب سے خانصاحب کے دشمن ہو رہے تھے۔ انہیں یہ موقعہ اپنی دشمنی نکالنے کا اچھا نظر آیا۔ اور انہوں نے جھٹ حکام سے جا رپورٹ جڑی۔ کہ میر جودت علی خاں کرنیل فوج سکھا شاہی ہی انگریزی حکومت کے برخلاف ہیں۔ اور عنقریب حکومت کا تختہ الٹنے میں کوشاں ہیں۔ ان کا بندوبست ابھی ہونا چاہیئے۔ تاکہ بعد میں کوئی ایسا فساد نہ برپا ہو۔ جو رعایا کے لیے موجب مصیبت ہو۔ وہاں سے اسی وقت خانصاحب کی گرفتاری و گھربار کی ضبطی کا حکم ہوا۔ سرکاری فوج نے جھٹ جا کر خاں صاحب کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ قسمت سے خانصاحب گھر پر نہ تھے۔ ورنہ ابھی وقت گرفتار ہو جاتے۔ اور دشمنوں کے کلیجوں میں ٹھنڈک پڑ جاتی۔ انہیں داروغہ نے خبر پہنچائی۔ خدیجہ یہ روح فرسا سانحہ سنتے ہی بیہوش ہو گئی۔ رات کا وقت تھا۔ نواب صاحب نے خسر کو مشورہ دیا۔ کہ رات کے اندھیرے میں کسی طرف کو نکل جایئے۔ میرا آدمی آپ کو شہر کے باہر دریا کے کنارے ذخیرہ میں گھوڑا لئے ملیگا۔ بعد میں جیسی ہوگی۔ دیکھی جائیگی۔

خانصاحب بیچارے اس تازہ مصیبت سے سکتے کے عالم میں ہو گئے۔ دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ سوچتے تھے۔ کہ کیا کریں۔ اور

کیا نہ کریں۔ ان پہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کی مثل صادق آگئی۔ آخر داماد کے اصرار پر بھیس بدل محل کے چور دروازے سے نکل گئے۔ اور مقررہ جگہ سے گھوڑا ایسے گئے۔ کہ پھر پتہ نہ چلا۔ کہ انہیں زمین نگل گئی۔ یا آسمان ادھر رات کے اندھیرے میں مکان کے پچھلے دروازے سے دونوں بچوں کو دبا کو لے کر زیور نقدی کی سنبھال بیگمی فرار ہو گئی۔

جب صبح ہوئی۔ تو محاصرہ کرنے والوں سپاہیوں کو گھر میں ایک بھی متنفس نظر نہ آیا۔ تو مجبوراً واپس ہوئے۔ اور خاں صاحب کی گرفتاری کو چاروں طرف سوار دوڑائے۔ مگر خانصاحب بوئے گل کی طرح ایسے غائب ہوئے۔ کہ ان کا ہاتھ آنا ناممکن ہو گیا۔

خدیجہ کو والدین کی بربادی کا ایسا سخت دھچکا لگا۔ کہ وہ بیمار ہو گئی اور ایسی سخت بیمار ہو گئی۔ کہ نواب صاحب کی کوشش و خدا کی مہربانی سے اسے صحت تو حاصل ہوئی۔ لیکن پھر بھی مردوں سے بدتر تھی۔ والدین کی بربادی کا غم اسے گھن کی طرح کھائے جاتا تھا۔

آٹھواں باب

بیوگی

لکھا ہے جو مری تقدیر میں وہی ہو گا
مجھے کسی کی مداوت سے کوئی کام نہیں

برسات کا موسم تھا۔ نواب صاحب کے باغ سے بہت سے کیلے وامرود
آئے۔ خدیجہ نے چاروں بیٹوں کے ہاں بھیجے۔ اور کنبے میں تقسیم کئے۔ خود بھی
کھائے اور بیٹی کو بھی کھلائے۔ جب نواب صاحب باہر سے آئے۔ تو انہیں
بھی کھانے کو دیئے۔ نواب صاحب نے کیلے وامرود پیٹ بھر کر کھائے۔
دونوں چیزیں چونکہ ثقیل تھیں۔ بڑھاپے کا وقت برسات کا موسم۔ سب
باتوں نے مل جل کر انہیں ہیضہ میں مبتلا کر دیا۔ دستوں کی وہ ڈاک
بندھی۔ کہ رکنے کا نام ہی نہ لیا۔ فوراً حکیم طلب کیا گیا۔ جس نے دن بھر میں
کئی دوائیں بدلیں۔ مگر بجائے صحت ہونے کے ان کی حالت ردی ہوتی
گئی۔ خدیجہ نے جب نواب صاحب کی ایسی حالت دیکھی۔ تو فوراً بیٹوں
کو خبر کی۔ چاروں بیٹے باپ کی بیماری کی خبر سنتے ہی آموجود ہوئے۔
شہر کا نامور حکیم بلایا گیا۔ جس نے دیکھتے ہی نواب صاحب کی زندگی سے
مایوسی ظاہر کی۔ اور نبض دیکھنے کے بعد کہا۔ کہ بڑھاپے کا وقت ہے۔ اس
لئے عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ دوا دارو سب بیکار ہے۔ چند گھنٹوں
کے مہمان ہیں۔ اب دوا کے بدلے دعا کرنی چاہیئے۔ تاکہ خدا ان کی مشکل
آسان کرے۔ حکیم صاحب تو اتنا کہہ فیس لے چلتے ہوئے۔ اور نواب
صاحب کے بیٹوں کو جائداد کی پڑی۔ فوراً چاروں بھائیوں کی مجلس
منعقد ہوئی۔ جس میں تجویز پیش ہوئی۔ کہ کسی طرح سوتیلی ماں کی
دسترس سے اندرونی جائداد نکالی جائے۔ بعد بحث مباحثہ کے قرار
پایا۔ کہ ابا جان کی آنکھیں بند ہوتے ہی محل کی سب کوٹھریوں میں
قفل ڈالے جائیں۔ اور خدیجہ کو کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانے دیا جائے۔ اور
اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال باہر پھینکا جائے۔ اور اگر ہو سکے تو کوشش

Taj Tahir Foundation

کر کے فرخندہ کو والد کی وراثت سے محروم کیا جائے۔ ادہر تو یہ صلاح مشورہ ہوا۔ اس کارروائی کی بھنک کہیں داروغہ جی کے کان پڑی۔ داروغہ رحمدل پکا دیندار آدمی تہا۔ اسے دور اول سے ہی خدیجہ بیگم سے ہمدردی تہی۔ ویسے بہی خدیجہ اسے انعام و اکرام سے سرفراز کیا کرتی تہی۔ اس نے سب کچھ جا خدیجہ کو بتایا۔ وہ یہ کارروائی سنتے ہی سنائے میں آگئی۔ پیروں تلے کی اس کی زمین نکل گئی۔ زمین و آسمان اسے گہومتا معلوم ہونے لگا۔ وہ سوچنے لگی۔ کہ اب کیا ہوگا۔ ادہر شوہر چلا چلی کے سامان میں ہیں۔ تو ادہر بیٹے جان کے دشمن نظر آ رہے ہیں۔ کروں۔ تو کیا کروں داروغہ نے اسے چپ دیکہہ کر کہا۔

"بیگم جی! آپ کس سوچ میں ہیں۔ ابہی کچھ کرنے دہرنے کا وقت ہے۔ اس وقت کو جانے دیا۔ تو ہاتھ ملتی رہجاؤ گی"۔

خدیجہ بیگم داروغہ جی کی آواز سے ایسی چونکی۔ جیسے کوئی خواب سے اٹہتا ہے۔ اور اس سے مکر بات دریافت کی۔ اور آہ سرد بہر کر بولی۔

" میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کہ کیا کروں۔ تم ہی بتاؤ۔ میرا دل تو کچھ کرنے کو نہیں چاہتا۔ میں قسمت پر شاکر ہوں۔ جب میرا مالک ہی چلا جا رہا ہے۔ تو میں دولت حشمت لے کے کیا کرونگی کرنے دو۔ جو وہ کرتے ہیں۔ میں یہی سمجھونگی۔ کہ جہاں گئیں۔ کشتیاں وہیں گئے۔ ملاح۔ مجھے جو ہاتھ اٹہا کر دیدینگے۔ وہی غنیمت سمجھونگی"۔

داروغہ نے سمجہایا۔ کہ بیگم جی آپ نادان ہیں۔ ابہی آپ نے دنیا کا دیکہا ہی کیا ہے۔ آپ دنیا کے مکر و فریب کیا جانیں۔ اور ان صاحبزادوں

سے کسی بات کی توقع نہ رکھیں۔ چونکہ ابھی باپ زندہ ہے۔ تو یہ مشورے کر رہے ہیں۔ ان کی زندگی کے بعد خدا جانے کیا کیا نہ کریں گے۔ اور آپکو کن کن مصیبتوں کا سامنا ہو۔ آپ کے آگے لڑکی ہے۔ اس کا فکر بھی تو آپ کو چاہیئے۔ بھائی تو اس کی جان کے لاگو ہیں۔ آپ اور کچھ نہیں کر سکتیں تو اپنے زیور کپڑے کے صندوق ہی علیحدہ کر لیں۔ تاکہ آپ کی ذاتی چیزیں ہی ان کے دسترس سے محفوظ رہیں۔

خدیجہ: "میرا زیور کپڑا جو کچھ ہے۔ سب میرے پاس ہے۔ اور میرے خاص کمرے میں مقفل ہے۔ باقی رہی۔ دیگر چیزیں۔ نہ میں نے ان کے لینے کی کبھی خواہش کی ہے۔ اور نہ ان پر اپنا تسلط جمایا ہے۔ اس خیال سے کہ جس کی ہیں۔ اس کی اولاد کے لئے رہیں۔ آگے جو میری قسمت ہے۔"

غرض ان ہی مشوروں وصلاحوں میں نواب صاحب کا آخری وقت آن پہنچا۔ اور وہ جمعہ کے دن ٹھیک بارہ بجے چار دن کی بیماری کی تکلیف اٹھا کر اس دنیا ناپائدار سے عالم بالا کو سدھارے۔ اور بدنصیب خدیجہ کو دنیا کے مصائب جھیلنے کو پیچھے چھوڑ گئے۔

باپ کے مرتے ہی بیٹوں نے محل پر اپنا تسلط جمایا۔ کمرے کمرے کوٹھری کوٹھری میں قفل ڈالے گئے۔ خدیجہ کے مرے میں نواب صاحب نے آخری وقت پورا کیا تھا۔ اس لئے وہ ان کے دستبرد سے بچا۔ ورنہ وہ اس پر بھی قبضہ رکھتے۔

گو کہ خدیجہ کو بچپن سے ہی مصیبتوں کا سامنا پڑا تھا۔ مگر یہ بیوگی کی مصیبت سب سے بڑھ کر اور ہمیشہ کے لئے تھی۔ اس کا دنیا میں کوئی

عزیز نہ تھا۔ اس کے لئے جو کچھ تھے۔ وہ یہ بیٹے۔ مگر یہ اس کی ایذا ہی کے سامان تھے۔ وہ سوتیلے بیٹوں کی کارروائیاں دیکھتی۔ اور غم کے کڑوے آنسو پی کر خاموش ہو جاتی۔

سوئم تو خدیجہ سے کسی نے تعرض نہ کیا۔ ادہر سوم فاتحہ سے ہوئی فراغت۔ ادہر حصے بخرے کرنے کو پنچایت بیٹھی۔ نواب صاحب کی جائداد سے بیوی کو سرے سے محروم ہی رکھا۔ کہ اس کنبے میں باپ کے ترکہ سے بیٹی کو کبھی حصہ نہیں دیا گیا۔ کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہ نکلا۔ جو یہ کہتا۔ کہ بیوی کا حصہ تو شرع شریف نے مقرر کیا ہے۔ تم کون ہو۔ جو خدائی قانون میں تبدیلی کرتے ہو۔ وہاں تو جو تھا۔ وہ نواب صاحب کے بیٹوں کا طرفدار تھا۔ لڑکی کی وکالت کرتا۔ تو کون کرتا۔ سروں سے سرداریاں ہوتی ہیں۔ جبکہ خدیجہ بیکس کا اس وقت کوئی تھا ہی نہیں۔ تو اس کی طرف سے سردار کون ہوتا۔ غرضکہ نواب صاحب کی جائداد سے صرف خدیجہ بیگم کو دو ہزار کا مکان ملا۔ زیور وغیرہ اس کے پاس تھا۔ وہ باقی حصے میں کاٹ دیا۔ سات لاکھ کی جائداد سے بیوی کو دو ہزار کا مکان ملا۔ اور بیٹی کو کفنے کو گز ہی نہیں۔ یہ ہے۔ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا انصاف۔

چہلم ہوا تو بیٹوں نے ماں کو نادری حکم سنایا۔ کہ شام سے پہلے پہلے محل خالی کر کے اپنے مکان میں اٹھ جاؤ۔ خدیجہ بیچاری غم والم کی ماری جلدی جلدی سامان اٹھا اپنی قسمت کو روتی دھوتی چھوٹے مکان میں اٹھ آئی۔ اس وقت یہی داروغہ ہی اس کے کام آیا۔ اللہ اس نے سامان اٹھانے میں مدد دے کر اس کی دربانی قبول کر کے حق نمک ادا کیا۔

نواں باب

خدیجہ کا مکتب

بہلتا ہی نہیں بہلائے سے درد جگر اپنا
ٹھہرتا ہی نہیں ٹھہرائے سے درد جگر اپنا

خدیجہ غم والم کی پتلی گردش آسمان کی ستائی ہوئی زندگی کے تلخی آمیز دن بری طرح گزار رہی تھی۔ وہ گھر کے کام کاج سے فارغ ہوتی۔ تو خیالات غم میں ایسی محو ہو جاتی کہ اسے کسی طرف کا خیال ہی نہ رہتا۔ رات کی سیاہی پھیلتی۔ وہ با دل ناخواستہ اٹھتی۔ اور کھانے پکانے کا بندوبست کرتی۔ اس کا دل نہ چاہتا کہ وہ کچھ کھائے پکائے۔ مگر بچی اور داروغہ کے خیال سے دو وقت چولھا گرم کر بیٹھتی۔ بچی سارا دن باہر داروغہ کے پاس ہی رہتی۔ اور رات کو بھی اس کے پاس ہی سوتی۔ اگر کسی وقت اس کا دل ماں کے پاس آنے کو چاہتا تو اندر آتی۔ مگر ماں کو روتا دیکھتی۔ تو اداس ہو کر چلی جاتی۔ داروغہ جی نے جب خدیجہ کا یہ حال دیکھا۔ تو اسے فکر ہوئی۔ کہ اگر بیگم کا یہی حال رہا۔ تو وہ جلدی ہی غم میں گھل گھل کر جان دیدیگی۔ میں بوڑھا آدمی میری زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔ بعد میں اس معصوم بچی کا کون پرسان حال ہوگا آخر ایک دن موقع پاکر داروغہ جی نے خدیجہ سے کہا۔ کہ بیگم اگر آپ برا نہ مانیں۔ تو میں ایک بات کہوں۔ خدیجہ نے جواب دیا۔

"داروغہ جی۔ میں تمہارا احسان نہیں بھول سکتی ہوں۔ خدا نے

تمہارے دل میں رحم ڈال دیا ہے۔ جو تم ہر مشکل میں میرے کام آتے ہو جو کچھ تم کہوگے۔ میں بھلا کیوں ماننے لگی۔ میں تو تمہیں اپنا بزرگ اور دلی خیر خواہ سمجھتی ہوں۔ اس لئے جو کچھ تم کہوگے۔ میرے فائدے ہی کو کہوگے۔ کہو۔ جو کچھ تمہیں کہنا ہے۔ بلا تامل کہہ ڈالو۔ میں بڑی خوشی سے سنونگی "

داروغہ جی "بیگم یہ سب آپ کی مہربانی ہے۔ میں غریب کیا۔ اور میری مدد کیا ہے۔ میں نے نواب صاحب کا نمک تمام عمر کھایا ہے۔ اگر میں اپنی کھال کی جوتیاں ہی بنا کر آپ کو پہناؤں۔ تب بھی حق نمک ادا نہ ہو سکیگا۔ صرف میری یہ عرض ہے۔ کہ آپ جو ہر وقت غم میں ڈوبی رہتی ہیں یہ بات ٹھیک نہیں۔ کیونکہ غم والم سے آپ کی صحت بھی درست نہیں رہی۔ اسی وجہ سے آپ فرخندہ سے بھی بے التفاتی برتتی ہیں۔ اگر چندے یہی حال رہا۔ تو مجھے آپ کی زندگی کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ آپ غم کو دل سے بھلا دیں۔ نہیں یہ کوئی بھلانے کی بات نہیں ہے۔ یہ تو ہر وقت کی چنت ہے۔ جو کبھی جا نہیں سکتی۔ مگر آپ کوئی شغل اختیار کریں۔ جس سے آپ کا خیال بٹے۔ اور کوئی آمدنی کا ذریعہ پیدا ہو۔ ورنہ کھاتے کھاتے تو خزانے بھی خالی ہو جاتے ہیں پھر کیا ہوگا؟"

خدیجہ "داروغہ جی۔ مجھے تو کچھ سوجھتا بوجھتا نہیں ہے۔ میں تو کہتی ہوں کہ یہ کمبخت زندگی کل کی ختم ہوتی آج ہی ختم ہو جائے۔ مگر یہ میرے بس کی بات نہیں۔ آپ ہی بتائیں۔ کہ میں کیا شغل اختیار کروں

داروغہ جی۔ یہ تمام محلہ مسلمانوں کا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو لڑکیاں پڑھنے والی

ہیں۔ اس سے آپ کا دل بھی بہلا رہیگا۔ اور گھر میں رونق بھی ہو جائے گی "

خدیجہ کو داروغہ جی کی بات پسند آئی۔ تو اس نے کہا

"لڑکیاں پڑھانے میں تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ میں پڑھا لیا کر دنگی مگر لڑکیاں پڑھنے کو میرے پاس لائے کون"

داروغہ نے کہا " آپ کوئی فکر نہ کریں۔ لڑکیاں تو پڑھنے کو میں بہت سی اکٹھی کر لونگا۔ آپ پڑھانیوالی بنیں "

غرضیکہ آٹھ ہی دن میں داروغہ جی کی کوشش سے خدیجہ کے پاس لڑکیوں کا خاصہ مجمع جمع ہو گیا۔ جس سے خدیجہ کا دل قدرے بہل گیا۔ وہ صبح ضروریات سے فارغ ہی ہوتی تھی۔ کہ لڑکیاں آجاتیں۔ انہیں سب سے پہلے قرآن مجید کا سبق پڑھاتی۔ جب وہ سبق یاد کر لیتیں۔ تو انہیں قرآن بند کروا دیتی۔ اور اردو کا سبق دیتی۔ اردو کے بعد حساب سمجھاتی۔ اور گیارہ بجے کھانے کی چھٹی دیتی۔ پھر دو بجے لڑکیاں جمع ہو جاتیں۔ تو ان سے لکھوائی کراتی۔ اور لکھائی کے بعد سلوائی کرواتی۔ اور پھر صبح کے دیئے ہوئے عربی اور اردو کے سبق دہراتی۔

اس طرح خدیجہ کا تمام دن لڑکیوں میں گذر جاتا تھا۔ لڑکیوں سے اسے مدد بھی ملنے لگی۔ ہوشیار اور سمجھدار لڑکیاں تمام گھر کا کام کاج کر دیتی تھیں۔ جس سے خدیجہ کو بہت آرام ہوا۔ خدیجہ لڑکیوں سے بہت محبت کرتی۔ اور ان سے بڑے پیار سے پیش آتی۔ لڑکیاں بھی اس کے نام کی دیوانی تھیں۔ جب کھانے کی چھٹی ملتی۔ تو وہ بجائے گھر جانے کے استانی کے گھر میں ہی بیٹھی رہتی تھیں۔ اور اپنا کھانا استانی جی کے ہاں ہی

منگوالیتی تھیں۔ اسی وجہ سے خدیجہ کے مکتب کی دھوم دور دور تک پھیل گئی اور اس کے پاس بہت سے امراء کی لڑکیاں پڑھنے کو آموجود ہوئیں۔ اب خدیجہ کے پاس بہت ہی رونق لگی رہتی تھی۔ ویسے اسے آمدنی بھی معقول ہونے لگی۔ کیونکہ امیر لڑکیوں کے ہاں سے اسے پروقت کھانے پینے کی ضروریات کی چیزوں میں سے ہر روز چار پانچ چیزیں آہی جاتی تھیں۔ جب کوئی امیر لڑکی سیپارہ ختم کرتی۔ تو اس کے ہاں سے معقول روپیہ اور مٹھائی وغیرہ آجاتی تھی۔ غریب لڑکیوں سے خدیجہ نے کبھی نہ کچھ نہ لینا چاہا۔ بلکہ انہیں اپنے پاس سے کتاب قلم وغیرہ جس چیز کی انہیں ضرورت ہوتی دے دیتی۔ اس لئے وہ بہت ہر دل عزیز ہوگئی۔ اور غریب لڑکیاں اس کا کام کرنا سعادت دارین سمجھتی تھیں۔ خدیجہ کے مکتب کی دھوم سن کر خدیجہ کے منجھلے بیٹے سعادت الملک نے اپنی دونو لڑکیاں اس کے پاس بھیجدیں۔ اس کی منجھلی بہو فرحت جہاں آپ آ کر لڑکیوں کو ساس کے پاس چھوڑ گئی۔ لڑکیاں حد درجے کی شریر و ضدی تھیں۔ والدین نے اپنے سے سدھرتی نہ دیکھ کر خدیجہ کے سر تھوپی بڑی لڑکی ثریا دس سال کی تھی۔ اور چھوٹی جمیلہ سات سال کی تھی۔ خدیجہ نے لڑکیاں مکتب میں تو بٹھالیں۔ مگر اسے اندیشہ ہی تھا۔ کہ یہ لڑکیاں سدھرنے والی نہیں ہیں۔ خدا ہی ہے۔ جو انہیں سدھارے۔ مگر اس نے کوشش بلیغ سے لڑکیوں کو سدھارنا شروع کیا۔ آخر کار اس کی کوشش سے اور مکتب کی صحبت سے لڑکیاں ۳ مہینہ کے اندر ہی اندر انسان بن گئیں۔ خدیجہ کی بہو ساس کی اس مہربانی سے اس کی غلام ہوگئی۔ اور اس نے طرح طرح سے کوشش کی۔ کہ خدیجہ کچھ عطیہ

قبول کرے۔ مگر اس نے ایک دمڑی بھی لینی گوارا نہ کی۔ ہاں پھل پھلواری جو کچھ وہ بھیجتی۔ وہ لڑکیوں کے اصرار سے مجبوراً لے لیتی۔

پورے ایک سال میں ثریا نے قرآن مجید ختم کیا۔ اس کے بڑے بھائی کی شادی تھی۔ ثریا کی ماں نے ساتھ ہی بیٹی کی نشرح کا ارادہ کرلیا اور چار دن پہلے شادی سے خدیجہ کو لینے آئی۔ خدیجہ نے جانے سے انکار کردیا۔ اور اس کے اصرار پر خدیجہ نے کہا

"تم مجھے لینے آئی ہو۔ مگر خاوند اور بیٹوں سے پوچھ آئی ہو۔ میں کہیں جا کر ذلیل نہ ہوؤں۔ کیونکہ انہوں نے مجھے کنبے میں داخل نہیں ہونے دیا!"

ثریا کی ماں نے نہایت منت سے کہا۔

"جو کچھ گذر گیا ہے اسے جانے دیجئے۔ بھائی صاحبان نے کچھ نہیں کہا۔ آپ نے ہمپر بیحد احسان کیا ہے۔ جنکا بدلہ ہم کبھی نہیں اتار سکتے۔"

لیکن خدیجہ پھر بھی انکار کئے گئی۔ اس خیال سے کہ کہیں کوئی تازہ مصیبت ہی نازل نہ ہو۔ جن بیٹوں نے مجھے دودھ کی مکھی کی طرح نکال باہر کیا۔ ان سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ غرضیکہ ثریا کی ماں مایوس ہو کر واپس گئی۔ اور شام کو میاں بیوی دونوں پھر خدیجہ کے پاس آئے۔ تو خدیجہ نے مجبوراً کہا۔

"اچھا میں آجاؤں گی۔ مگر شادی کے روز۔ کیونکہ اتنے دن پہلے جانے سے لڑکیوں کی پڑھائی میں ہرج ہوگا۔"

Taj Tahir Foundation

دسواں باب

فرخندہ کی گمشدگی

سانس دیکھا تن بسمل میں جو آتے جاتے
اور چرکا دیا صیاد نے جاتے جاتے

شادی کے روز خدیجہ سویرے سویرے غسل کر کپڑے بدل بیٹی کو لباس پہنایا۔ داروغہ کے اصرار سے تھوڑا سا زیور بھی اسے پہنایا اور ایک شاگرد کو ہمراہ لے کر بیٹے کے ہاں جانے کو تیار ہوئی۔ کہ ثریا پالکی لے استانی جی کو لینے آ حاضر ہوئی۔ خدیجہ ثریا کے ہمراہ بیٹے کے ہاں گئی۔ فرحت جہاں اس کی آمد سے نہایت خوش ہوئی۔ اور نہایت دلداری سے ساس کی آؤ بھگت کی۔ خدیجہ بہو کی خاطرداری سے نہایت محفوظ ہوئی۔ اور دل میں کہنے لگی۔ آہ۔ ایک دن وہ بھی تھا۔ کہ میں چوروں کی طرح اس گھر سے نکالی گئی تھی۔ اب ڈیڑھ برس کے بعد اسی گھر میں آنا ہوا۔ تو کیسے۔ کہ وہ خود جا کر لائے۔ یہ سب خدا کی مہربانی ہے۔ ورنہ میں ناچیز کس قابل ہوں۔

ثریا کی ماں نے کہا۔ کہ آج ہی نشرح ہو جائے تو بہتر ہے۔ پھر زیادہ بھیڑ بھاڑ کے دنوں میں یہ کام مشکل ہوگا۔ اس میں کسی کو کیا عذر تھا۔ سب نے کہا۔ جیسی تمہاری مرضی۔ غرضیکہ شام کے کھانے کے بعد ثریا کی آمین پڑھی جانے لگی۔ خدیجہ آمین پڑھنے میں مشغول

ہوئی۔ اسے فرخندہ کا خیال ہی نہ رہا۔ آمین ختم ہوئی۔ تو ثریا کی ماں خدیجہ کے لیئے ایک صوبانہ ریشمی جوڑا اور ایک مرصع چوڑیوں کی جوڑی لے آئی۔ اور سب نے اصرار کرکے خدیجہ کو ریشمی لباس اور چوڑیاں پہنائیں۔ ان ہی باتوں میں نصف رات گذر گئی۔ تو خدیجہ کو فرخندہ یاد آئی۔ شاگرد کو بھیجکر باہر داروغہ جی سے دریافت کیا۔ کہ فرخندہ تمہارے پاس ہے۔ مگر داروغہ نے لاعلمی ظاہر کی۔ اور کہا شام ہوتے ہی فرخندہ کو اندر بھجدیا تھا۔ پھر مجھے اس کی خبر نہیں۔ خدیجہ یہ بات سنتے ہی سکتے میں آگئی۔ اٹھی۔ اور گھر کا کونہ کونہ چپہ چپہ تلاش کیا۔ ایک ایک سے پوچھا۔ مگر فرخندہ نہ ملنی تھی نہ ملی۔ اور وہ روتی پیٹتی گھر واپس آگئی۔ داروغہ جی نے ڈھونڈنے میں کوئی کمی نہ کی۔ شہر کا کوچہ کوچہ ڈھونڈ مارا۔ کوؤں میں بانس تک ڈلوائے۔ مگر فرخندہ کا کہیں نشان تک نہ ملا۔

وہ روتی پیٹتی۔ چیختی۔ چلاتی۔ فرخندہ کو آوازیں دیتی اور کوئی جواب نہ پاکر غم سے بیہوش ہوجاتی۔ اس کی بھوک جاتی رہی۔ راتوں کی نیند اڑگئی اور وہ پاگلوں کے مانند ہوگئی۔ بچی کے کپڑے لیتی۔ انہیں آنکھوں سے لگاتی۔ بوسے دیتی اور روتے روتے بیہوش ہوجاتی۔ کوئی پاس ہوا۔ تو ہوش میں لانیکی تدبیر کرلی ورنہ کئی کئی گھنٹے بیہوشی میں ہی گذر جاتے۔ بچی کے غم نے اس کے پرانے زخم تازہ کردیئے۔ وہ ایک ایک واقعہ کو یاد کرتی۔ اور پہروں بیٹھی روتے رہتی۔ اسے مکتب کا دھیان ہی نہ رہا۔ مکتب بالکل اجڑ گیا۔ پرانی لڑکیاں جو قرآن مجید ختم کرچکی تھیں۔ آتیں۔ تو اسے زبردستی دوسرے تیسرے کھانا کھلاتیں۔ آخر وہ اسی جانکاہ صدمے سے بیمار ہوگئی۔ ایک بیچارہ داروغہ تھا۔ جو اس کی خبر گیری کرتا تھا۔

Taj Tahir Foundation

سردی کا موسم تھا۔ آسمان پر گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ جس سے ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھائی دے۔ سب دنیا پر خواب کا عالم طاری تھا۔ سوائے چوکیدار کی آواز کے اور سب پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ مگر خدیجہ۔ غمزدہ خدیجہ۔ بستر پر پڑی کروٹیں بدل رہی تھی۔ سوزِ غم سے اس کا دل کباب ہو رہا تھا۔ غم عالم کی دلدوز آہیں اس کے سینے کو چاک کر رہی تھیں۔ بخار سے اس کا دل جل رہا تھا۔ غم نے اس کی نیند اڑا رکھی تھی۔ چراغ جو شام سے اس کے سرہانے جل رہا تھا۔ وہ بھی تھک کر بجھ گیا۔ مگر خدیجہ کو نیند نہ آنی تھی۔ نہ آئی۔ پچھلا پہر تھا۔ کہ بارش زور سے ہونے لگی۔ یکایک خدیجہ کو اپنے کمرے میں روشنی نظر آئی۔ اس نے اپنی آنکھوں کو پوری وسعت سے کھول کر روشنی کی طرف دیکھا۔ تو روشنی میں اسے چار خوفناک صورتیں نظر آئیں چار کالے سنڈے سے ننگ دھڑنگ لنگوٹے باندھے کاندھوں پر لاٹھیاں دھرے کھڑے تھے۔ خدیجہ کے منہ سے خوف سے ایک چیخ نکلی۔ اور وہ بیہوش ہو گئی

خبر نہیں۔ کہ وہ کتنی دیر بیہوش رہی۔ کہ بادل کی کڑک سے اسے ہوش آیا۔ تو اس نے اپنے کمرے میں اندھیرا گھپ دیکھا۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اسے چوروں کا تصور بار بار ستائے آتا تھا۔ کہ اسے یکایک ایک چیخ سنائی دی۔ وہ ہمت کر کے اٹھی۔ اور کوٹھری کی طرف گئی۔ جہاں کہ اسے روشنی کی جھلک نظر پڑی تھی۔ اس نے آہستہ سے کوٹھری کے دروازے کو ہاتھ لگایا۔ تو وہ اندر سے بند تھا۔ اس دروازے کے کواڑوں کی درار سے اندر کی طرف جھانکا۔ تو اسے ایک خوفناک نظارہ دکھائی دیا۔ اس نے دیکھا۔ کہ داروغہ جی زمین پر پڑے تڑپ رہے ہیں۔ سر سے خون

جاری ہے۔ اور چور صندوقوں کے تالے توڑ رہے ہیں۔ وہ دہشت سے کانپ اٹھی۔ اور اسے اپنی عزت کی پڑی۔ کہ جنہوں نے مرد کے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ خدا جانے وہ مجھ تنہا عورت کے ساتھ کیا ظلم کریں۔ اس کا دل دنیا سے بیزار ہو چکا تھا۔ وہ پے درپے مصیبتوں سے نہایت تنگ آگئی تھی۔ اسے کچھ نہ سوجھا بوجھا۔ وہ خودکشی کا ارادہ کر کے گھر کے پچھلے دروازے سے یہ شعر پڑھتی ہوئی جنگل کی طرف نکل گئی ؎

آدم سے چھٹا خلد اور ہم سے اپنا گھر
وہ ابتدائے رنج تھا یہ انتہائے رنج

رات تھی اندھیری۔ پھر موسلا دھار بارش۔ وہ خدیجہ جس نے کبھی گھر سے باہر قدم نہ نکالا تھا۔ پاؤں سے ننگی۔ بدن پر سوائے لباس کے اور کوئی پردہ کا کپڑا نہ تھا۔ بے تحاشہ منہ اٹھائے چلی جا رہی تھی۔ اس خیال سے کہ کسی کوئیں یا نہر میں گر کر جان دیدوں۔ اور اس روز روز کی مصیبت سے نجات پاؤں۔ اس کا تن بدن بخار سے پھکا ہوا تھا۔ اور اسے کچھ پتہ نہ تھا۔ کہ وہ کہاں اور کس طرف کو جا رہی ہے۔ گر اس کو جھنجھی کی ٹھوکر لگی۔ اور وہ دھڑام سے گر پڑی۔ اور اس کا سر بڑے زور سے ایک پتھر سے لگا۔ اور وہ چوٹ لگنے سے بیہوش ہو کر گر پڑی۔

گیارہواں باب

مشن

نکل جاتا ہے دل ہاتھوں سے غیروں کی مصیبت پر
جو ہیں دردآشنا اپنا سا سب کا دل سمجھتے ہیں۔

نیا نیا مشن بنا تھا۔ پادری جوزف مشن کو کامیاب بنانے میں ہمہ تن مصروف تھے۔ اور دن رات اس کے کام میں منہمک رہتے۔ صبح سات بجے وہ مشن کے کام میں لگتے۔ تو وہ اس میں اس قدر مستغرق ہو جاتے کہ انہیں دوپہر کی حاضری کا بھی خیال نہ رہتا۔ حسب معمول وہ صبح اٹھکر مشن گئے۔ تو مشن کے احاطہ کے پاس ہی انہیں ایک گڑھے میں جو پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ ایک لاش تیرتی ہوئی نظر پڑی۔ فوراً مدد کے لئے مشن سے آدمی لائے۔ اور لاش کو پانی سے نکال کر مشن میں لے گئے۔

پادری جوزف کی بہن جو ہر وقت مشن میں ہی رہتی تھی۔ اس نے لاش کو دیکھا۔ اور افسوسناک لہجہ میں بولی۔ کہ یہ تو کسی مسلمان شریف عورت کی لاش ہے۔ خدا جانے لاش کے وارثوں پر کیا افتاد پڑی۔ جو یہ لاش یوں بے کسی کی حالت میں پڑی رہی۔ اتنا کہہ اس نے لاش کی طرف غور سے دیکھا۔ تو اسے مردہ عورت کے چہرے کی حالت میں کوئی موت کا منظر نظر نہ آیا۔ اس نے لاش کو الٹ پلٹا کر بدن کو دیکھا۔ تو اس میں گرمی پائی۔ فوراً ڈاکٹر طلب کیا۔ ڈاکٹر نے آتے ہی آلات ڈاکٹری سے مردہ جسم کا معائنہ کیا۔ اور کہا۔

Taj Tahir Foundation

"مسز مور یہ عورت زندہ ہے۔ پانی میں رہنے کی وجہ سے اس کا سانس رک گیا ہے۔ کوشش کروگی۔ اور احتیاط رکھو گی۔ تو امید ہے اسے جلد آرام آجائیگا"!

مسز مور بیچاری چھوٹی عمر میں ہی بیوہ ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی مذہبی کاموں میں وقف کر دی تھی۔ وہ عورتوں سے بے حد ہمدردی رکھتی تھی۔ اور خاص کر ہندوستانی عورت کی بیحد ہمدرد تھی۔ کیونکہ وہ ہندوستانی عورت کو شش قفس کی چڑیا کے سمجھتی تھی۔ جو ظالم صیاد کے جور و تشدد سے چمن کی پرفضا ہوا سے محروم ہو چکی ہوں اسے لاوارث مریضہ سے کچھ ایسی الفت ہو گئی۔ کہ وہ ایک منٹ کو بھی اس سے جدا ہونا گوارا نہ کرتی۔ لاوارث عورت کا چہرہ اور چہرے کی شرافت اس کے دل میں کھپ گئی۔ اور اسے پختہ یقین ہو گیا۔ کہ یہ کوئی گردش فلک کی ستائی ہوئی ہے۔ اور کسی معزز خاندان کی عورت ہے۔ اس کی تین دن کی لگاتار انتھک کوشش سے اتنا ہوا۔ کہ لاوارث عورت کی زندگی کی امید بندھی۔ مگر ادھر مریضہ کو ہوش آیا۔ تو ظالم بخار نے آن دبایا۔ اور ایسا کہ پچیس دن تک اترنے کا نام ہی نہ لیا۔ مسز مور ہر وقت مریضہ کو آرام پہنچانے میں لگی رہتی۔ اور وقت مقرر پر دوا غذا سے اس کی خبر گیری کرتی رہتی۔ مریضہ بخار میں پڑی پڑی بہت کچھ بذیان بکتی رہتی۔ جس سے مریضہ کی مصیبت مسز مور پر بہت کچھ عیاں ہو گئی۔ اب اس کے دل میں یہ تمنا پیدا ہو گئی۔ کہ خدا مریضہ کو جلدی صحتیاب کرے۔ اور وہ اپنی درد بھری داستان مجھے سنائے اور میں مصیبت میں اس کی امداد کر کے انسانی فرض کو ادا کروں۔ بارے مسز مور کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ اور لاوارث مریضہ

کا بخار پورے پچیس دن بعد اترا۔ اور مریضہ ہوش میں آئی۔ اس نے ہوش میں آتے ہی اپنے گرد پیش پر ایک نظر ڈالی۔ اور بڑے درد سے ٹھنڈی سانس بھری۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ مسز مور کے چوٹ کھائے ہوئے دل میں مریضہ کی درد بھری آہ نے سوز پیدا کر دیا۔ اور وہ بےچین ہو گئی۔ اور اس نے نہائت نرمی سے ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا۔

(کیونکہ مسز مور تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ انگلینڈ سے آئی تھی۔ اور ابھی اسے اچھی طرح اردو بولنی نہیں آئی تھی) "میری پیاری بہن کسی خیال کو دل میں جگہ نہ دو۔ اور طبیعت کو خوش رکھنے کی کوشش کرو۔ تاکہ تمہیں جلدی صحت حاصل ہو۔ تم دل میں کوئی فکر نہ کرو۔ مجھے اپنی بہن برابر سمجھو۔ میں تم سے ایسی ہی محبت کروں گی۔ جیسے حقیقی بہن کرتی ہے۔ اور امید کرتی ہوں۔ تم بھی مجھے اپنی حقیقی بہن سمجھو لی۔"

مریضہ نے آنکھیں کھول کر مسز مور کی طرف احسان مند نگاہوں سے دیکھا۔ اور خاموش ہو رہی۔

بہار کا موسم ہے نونہالان چمن سرسبز ہی پوشاک پہنے چمن میں اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ رنگ برنگ پھولوں نے درختوں کو نئی دلہن کی طرح سجا رکھا ہے۔ ٹھنڈی ہوا کے معطر جھونکے مردہ تنوں میں جان ڈال رہے ہیں۔ بلبل خوشنوا پیاری اور میٹھی دل سوز آواز سے چہک چہک کر گلوں کے نثار ہو رہی ہے۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو دل و دماغ کو تازہ کر کے انسان میں حقیقی نشاط پیدا کر رہی ہے۔ سورج کسی قدر بلند ہو چکا ہے۔ اس کی سنہری سنہری کرنیں سبز مخملی فرش پر۔

بیتابانہ لوٹ رہی ہیں۔ یہ دلفریب سامان دیکھ کر ہر شخص خوش ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر لاوارث مریضۂ سن کے باغ میں سرو کے درخت کے نیچے ونیچ پر بیٹھی کسی گہرے سوچ میں غرق ہے۔ اس کے چہرے پر غضب کی مایوسی ٹپک رہی ہے اس کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہیں۔ جو کسی طرح تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ رنگ برنگ کی چڑیاں اس کے سر پر سے اڑتی پھرتی ہیں۔ اور اپنی میٹھی میٹھی آواز سے اسے اپنی طرف متوجہ کرنی چاہتی ہیں۔ مگر اسے کچھ خبر نہیں۔ ہوا کے جھونکے آ آکر اس کے بالوں کو الجھا رہے ہیں۔ مگر اس کے دل پر کچھ اثر نہیں کرتے۔ وہ رنج و غم میں ڈوبی ہوئی کسی زمانے کی یاد میں اس قدر محو ہے۔ کہ دنیا اور اس کی دلفریبیاں اس کی نظروں میں ہیچ ہیں

مسز مور گرجہ سے واپس لوٹتی ہوئی چہل قدمی کو باغ میں آئی۔ تو لاوارث مریضہ کو رنج والم میں ڈوبا ہوا پایا۔ تو نہایت دل سوزی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میری بہن تم اس قدر رنجیدہ کیوں ہو رہی ہو۔ تمہارا یہ غمزدہ چہرہ میرے دل کے ٹکڑے اڑا رہا ہے۔ میری اچھی بہن تمہیں صبر کرنا چاہئے۔ گو کہ صبر کا جام تلخی آمیز ہے۔ مگر اس کا انجام شیریں ہے۔ میری اچھی بہن۔ میں کئی دن سے ارادہ کر رہی تھی کہ تم سے تمہاری سرگذشت سنوں۔ اور ہو سکے۔ تو تمہیں تمہارے عزیزوں میں پہنچا دوں۔ مگر تمہاری بیماری دلگزری اس امر کی مانع رہی۔ اب اگر تم مناسب سمجھو۔ تو مجھے اپنی سرگذشت سے مطلع کرو۔ شاید میں تمہاری مدد کر سکوں"

لاوارث عورت "میری مہربان۔ مسز مور صاحبہ۔ میں آپ کی مہربانی و سچی ہمدردی
کی حد درجہ مشکور ہوں۔ اور اپنے پاس وہ الفاظ نہیں پاتی
جس سے آپ کی مہربانی کا شکریہ ادا کرسکوں۔ خدائے قیوم
آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ میری سرگذشت سن کر کیا
کریں گی۔ سوائے اس کے کہ آپ کے دل کو بھی صدمہ پہنچے"

مسز مور "میری عزیز بہن بیشک مجھے تمہاری سرگذشت سننے سے
رنج تو ہوگا۔ مگر تمہارا دل داستان غم کہنے سے قدرے ہلکا
ہوگا۔ اس لئے میری اچھی بہن مجھے اپنی مصیبت سے ضرور
آگاہی بخشو"

لاوارث عورت "آہ۔ میری مہربان بہن کیا بتاؤں فلک کجرفتار نے میرے ساتھ
وہ کیا۔ جو کبھی تمہارے سننے میں بھی نہ آیا ہوگا۔ میرا
وہ گھر جو کبھی مسرت وشادمانی کا عشرت کدہ تھا۔ پے درپے
مصیبتوں سے ایسا اجڑا۔ کہ اس میں بہار نے آنے کا نام
نہ لیا۔ آہ۔ میں اس دادا کی پوتی ہوں۔ جس کے فیض کرم
سے بیسیوں لاوارثوں کے پیٹ بھرتے تھے۔ بیسیوں کے تن
ڈھکے جاتے تھے۔ آہ۔ آج میں لاوارث ہوکر مشن کے ٹکڑوں
پر پڑی ہوں۔ اے خدایا یہ سب تیری ہی قدرت کے
کھیل ہیں"

(کسیقدر سکوت کے بعد) "میری مہربان لیڈی۔ میں خدا جانے کیا کیا کہہ گئی ہوں
کیونکہ وفور غم نے میری عقل کھودی ہے۔ اس لئے میرے
حواس درست نہیں رہے۔ لو سنو۔ میری مصیبت بھری

Taj Tahir Foundation

داستان سنو۔۔۵

سنے ہونگے ہزاروں بلبلوں کے نالے گلشن میں
کلیجہ تھام لو اب دل جلے فریاد کرتے ہیں،

میری بہن میں میر جودت علی خاں کی بیٹی ہوں۔ جو کہ خالصہ فوج میں جرنیل تھے۔ اور نواب امیر الملک وزیر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیوی ہوں۔ مجھ بدنصیب کا نام خدیجہ بیگم ہے"

اس کے بعد اس نے اپنی مصیبت بھری داستان کہہ سنائی۔ جو ناظرین بہنیں پچھلے بابوں میں ملاحظہ کر چکی ہیں۔ اور کہا۔

"میں آپ کی اس آپ کے مشن کی نہایت شکر گذار ہوں۔ اور مزید شکر گذاری کا باعث ہوگا۔ جو آپ میرے مکان کا پتہ لگائیں۔ اور میرے وفادار ملازم داروغہ اسداللہ کو ڈھونڈھ نکالیں۔ تاکہ میں اپنے گھر چلی جاؤں۔ ورنہ زندگی کے مصیبت بھرے دن کسی کونے میں بیٹھ کر تمام کروں"

مسز سعد۔ میری معزز بہن۔ آپ کا حال سن کر میرے دل کو جتنا صدمہ ہوا ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتی۔ اور جتنی ہمدردی آپ کی میرے دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ میں اس کا اندازہ نہیں لگا سکتی۔ میں بڑی کوشش سے تمہارے مکان و ملازم کا پتہ لگاؤنگی مگر میری بہن۔ جیسا کہ آپ کا بیان ہے۔ کہ ڈاکوؤں نے داروغہ کا کام تمام کر دیا ہو۔ اور سب کچھ لوٹ پوٹ کر لیگئے ہوں گے۔ تو تم گھر میں جا کے اکیلی کیا کرو گی۔ جبکہ اس وقت تمہارا کوئی عزیز نہیں ہے۔ تو تم مشن میں کیوں نہیں رہتی ہو۔ مجھے تم سے سچی محبت

پیدا ہو گئی ہے۔ میں تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتی۔"

خدیجہ "بیشک دنیا میں اس وقت میرا کوئی عزیز نہیں۔ گو میرا گھر اجڑ گیا ہے۔ مگر میں مشن میں نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ اور مشن عیسائی ہے۔ اس میں وہی رہ سکتی ہے۔ جو عیسائی ہو۔ میں دنیا کی بڑی سے بڑی ذلت سہہ لونگی۔ مگر مذہب کو کبھی نہ چھوڑونگی۔ اگر مشن میں رہوں۔ تو مجھے مذہب سے کنارہ کشی اختیار کرنی ہوگی۔ سو میرے لئے ایسا کرنا بالکل ناممکن ہے۔"

مسز مور "خدیجہ بیگم تم اس خیال کو دل میں جگہ ہی نہ دو۔ کوئی تم سے زبردستی نہیں کرتا۔ کہ تم ضرور عیسائی ہو جاؤ۔ یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ مشن کو تم اپنا گھر سمجھو۔ اور کسی قسم کا کھٹکا دل میں نہ لاؤ۔ خیر میں پہلے تمہارے ملازم کی تلاش کرتی ہوں۔"

خدیجہ "اگر آپ نے میرے ملازم کو ڈھونڈ نکالا۔ تو آپ کی نہایت ہی ممنون ہونگی ورنہ قسمت نے جب میرا نشیمن ہی مجھ سے چھڑا لیا۔ تو میں جیسا تقدیر میں ہوگا ویسا کرونگی۔"

مسز مور نے تیسرے دن خدیجہ کو یہ غمناک بات آ سنائی۔ کہ

"میں نے تمہارے ملازم و گھر کی تلاش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مگر افسوس۔ کہ جب مجھے تمہارے گھر کا پتہ بتلایا گیا۔ اور میں وہاں گئی۔ تو وہاں سوائے راکھ اور اسباب جلے ہوئے کھنڈروں کے اور کچھ نہ پایا۔ کیونکہ جس رات تم گھر سے نکلی ہو۔ اسی رات اسمیں آگ لگی۔ اور جل کر راکھ ہو گیا۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ چوروں نے واردات کا کام تمام کر کے گھر کو آگ لگا دی۔ تاکہ ان کی رہبری

کا کوئی نشان نہ رہے۔ اور لوگ سمجھیں۔ کہ مکان کے ساتھ
مکین بھی جلکر خاک سیاہ ہوئے"
اس اندوہ ناک خبر سے خدیجہ کے زخمی دل پر نمک پاشی کا کام کیا۔ اور وہ بیمار ہو گئی۔ جب اسے صحت حاصل ہوئی۔ تو سوائے اس مشن میں رہنے کے اور دوسرا کوئی ذریعہ نظر نہ آیا۔ اور ناچار مشن کی نگرانی میں زندگی کے دن گذارنے لگی۔

بارہواں باب

ترقی تعلیم

مری تقدیر میں وارفتگی تھی اور بربادی
ہوئی اک مشت خاک آخر غبار کارواں میری

جون کا مہینہ تھا۔ گرمی اپنا زور دکھا رہی تھی۔ انسان سے لے کر حیوان تک بھی گرمی سے بچنے کے لئے ٹھنڈی جگہ بسیرا کئے پڑے تھے۔ خدیجہ اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی اور اپنا دل بہلانے کو چھت کی کڑیاں گن رہی تھی۔ اس کی مہربان اور میری مسز نہ موریکر ایک ماہ سے کسی دوسرے شہر میں گئی ہوئی تھی اور اس کی غیر حاضری میں خدیجہ کا دل بہت اُداس تھا۔ اس کے دل کی بڑی بُری حالت تھی۔ اور وہ چاہتی تھی کہ بے اختیار رو دے دروازے کے پردے پر اُس کی نظر پڑی۔ اسے ہلتا نظر آیا تو دم اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور دروازے کی

طرف دیکھنے لگی۔ کہ اس دوپہر میں کون آیا ہے۔ کہ پردہ ہٹا۔ اور مسز مور اندر داخل ہوئی۔ وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور نہایت گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اور اس سے ہاتھ ملا کر اس کی مزاج پرسی کی۔ اس نے بھی ویسے ہی گرمجوشی سے اس کی باتوں کا جواب دیا اور دونو آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد مسز مور نے کہا۔

"بہن خدیجہ۔ تمہارا اب کیا ارادہ ہے"

خدیجہ "میری قدردان بہن۔ کیا بتاؤں۔ میرا کیا ارادہ ہے۔ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کہ میں کیا کروں۔ بیکاری سے میرا دل گھبرا گیا ہے۔ آپ ہی بتائیں۔ کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے"

مسز مور "میرے خیال میں آپ مشن کا کوئی کام اپنے اختیار میں لے لیں تو آپ کا دل بھی بہل جائیگا۔ اور آپ بیکار بھی نہ رہینگی۔ اور مشن کو بھی ایک مددگار مل جائیگی۔ آگے جیسی تمہاری مرضی۔ مشن تمہاری خدمت کو موجود ہے۔ جیسی تمہاری خواہش ہوگی وہ اس کے پورا کرنے کو ہر وقت حاضر ہے"

خدیجہ (کچھ سوچتے ہوئے) "مسز مور آج کے دن کی مہلت دو۔ کل تک سوچ کر بتاؤنگی۔ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے"

مسز مور "خدیجہ بہن۔ ایک دن کیا۔ تم آٹھ دن تک اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ اور جو تمہارا دل چاہے۔ وہ کام اختیار کرو مشن والے زبردستی نہیں کرنا چاہتے"

اب خدیجہ کے دل میں یہ سوال اٹھا۔ کہ اسے کیا ذریعہ اختیار کرنا چاہئے

Taj Tahir Foundation

اگر وہ مشن کا کوئی کام اپنی سپردگی میں لیلے۔ تو اسے ساری عمر مشن میں ہی رہنا پڑیگا۔ اور اسلام جیسی بے بہا نعمت اس کم بخت زندگی کی خاطر چھوڑنا پڑے گی۔ اور بے پردگی اختیار کرنی پڑے گی۔ ساتھ اسے یہ قول ہی یاد آگیا۔ کہ جان جائے۔ مگر ایمان نہ جائے۔ اس کشمکش سے نجات پانے کے لئے صرف موت ہی اسے بہترین علاج نظر آیا۔ اس کا دل بھر آیا۔ اور وہ رونے لگی۔ جتنا ہو سکا وہ روئی۔ جب اس کا دل ہلکا ہوا۔ تو یکایک اس کے دل میں خیال آیا۔ کہ میں تعلیم کیوں نہ حاصل کر دوں۔ اور تعلیم پا کر ڈاکٹری یا معلم گری کا پیشہ کیوں نہ اختیار کروں۔ اس طرح کرنے سے مجھے مشن سے چھٹکارہ حاصل ہو جائیگا۔ اور میں مشن سے علیحدہ ہو کر اپنی زندگی مذہبی اصول پر گذار سکوں گی۔ گو کہ اب بھی میں اپنے مذہب پاک پر ہوں۔ مگر میں پہلی طرح ارکان اسلام ادا نہیں کر سکتی۔ اور گو ابھی پردے سے باہر تو نہیں ہوئی۔ مگر پھر بھی سے پادری جوزف کے سامنے ہفتہ میں ایک دو دفعہ ہونا پڑتا ہے اس خیال سے اس کے دل کا بوجھ قدرے ہلکا ہوا۔ اور اس نے تعلیم حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ وہ شام کو مسز مور کے کمرے میں پہنچی۔ اور اسے اپنے ارادے سے مطلع کیا۔ مسز مور کو خدیجہ کی خواہش معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی۔ اور کہا۔

میں تمہارا ارادہ معلوم کر کے بہت خوش ہوئی ہوں! اور تمہاری بلند نظری پر تمہیں مبارکباد دیتی ہوں۔ اور دعا کرتی ہوں کہ خدائے عالم تمہیں اپنے ارادہ میں کامیابی بخشے میری عزیز بہن۔ تم بےفکر رہو۔ ہفتہ عشرہ تک میں

Taj Tahir Foundation

تمہاری تعلیم کا بندوبست کر دوں گی۔ میرا خیال ہے۔ کہ تم ابتدائی
تعلیم سے بہرہ ور ہو گی"۔

خدیجہ ۔ "بیشک آپ کا خیال راستی پر ہے۔ میں ابتدائی تعلیم سے پوری
طرح آشنا ہوں۔ یعنی۔ فارسی۔ اور عربی مجھے بخوبی آتی ہے۔ جو کہ
میں نے اپنے ابا جان سے پڑھی تھی۔ حساب میں میں ضرب
اور تقسیم تک سمجھ رکھتی ہوں۔ اور اردو بہت اچھی طرح جانتی
ہوں۔ البتہ انگریزی سے نابلد ہوں"۔

مسز مور ۔ "تم اتنا کچھ علم جانتی ہو۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ باقی رہی
انگریزی۔ میرے خیال میں تم انگریزی میں کوشش کرو گی،
تو سال آئندہ مارچ میں امتحان مڈل میں شریک ہو سکو گی۔

غرضیکہ ایک ہی ہفتہ کے اندر خدیجہ مسز مور کی کوشش سے مشن
اسکول کی زنانہ کلاس میں داخل ہو گئی۔ مسز مور چونکہ اسے مثل بہن
کے سمجھتی تھی۔ اس لئے اس نے اپنی جیب خاص سے اسے انگریزی
پڑھانے کو ایک استانی مس فیلنگ نامی مقرر کر دی۔ اور خدیجہ بھی جان
توڑ کر پڑھائی میں کوشش کرنے لگی۔ جب اسے پڑھائی سے فرصت ملتی۔
تو وہ مسز مور سے مشن کی لڑکیوں کے کپڑے سینے کو لے آتی۔ اور
انہیں نہایت صفائی سے سیتی۔ مسز مور خدیجہ کی سلائی سے نہایت
خوش تھی۔ کہ تھوڑی بہت مدد تو ابھی سے مشن کو اس سے ملنے لگی
ہے۔ امید ہے۔ کہ جب یہ تعلیم سے فارغ ہو گی۔ تو مشن کو اس سے
معقول مدد ملے گی۔ وہ جب کبھی فرصت پاتی۔ تو عیسائی مذہب کی
خوبیاں خدیجہ کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتی۔ مگر خدیجہ نہایت

Taj Tahir Foundation

خوش مزاجی سے سب کچھ سن جاتی۔ اور عمدہ طریقہ سے عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی خوبیاں لاتی۔ اور گھنٹوں دونو کی اس بات پر بحث ہوتی۔ کہ دونوں مذہبوں سے کونسا مذہب عمدہ ہے۔ مگر اسلام پاک کی سچی اور بے لاگ خوبیاں اپنا اثر کئے بغیر نہ رہیں۔ اور مسز سور کو قائل ہونا پڑتا۔ خدیجہ کی خوش گفتاری کے سبب اسلام پاک کی سچی تعلیم نے مسز سور کے دل پر بھی اثر ڈالنا شروع کیا۔ اور سب سے پوشیدہ قرآن مجید ہر روز خدیجہ سے سننے لگی۔

پورے ایک سال کے بعد خدیجہ نے امتحان مڈل پاس کیا۔ درجہ میں سب لڑکیوں سے اول نمبر رہی۔ اور اسے سات روپے ماہوار کا وظیفہ ملا۔ مسز سور کو اور پادری جوزف کو خدیجہ کی کامیابی سے بہت خوشی ہوئی۔ اور مسز سور نے اس خوشی میں تمام مشن کی لیڈیوں اور لڑکیوں کو چائے پر بلایا۔ اور پادری جوزف نے خدیجہ کی تعریف میں ایک لمبی چوڑی اسپیچ دی۔ جس کے خاتمہ پر اس نے خواہش ظاہر کی کہ عنقریب وہ وقت بھی آئیگا جبکہ یہ خاتون مذہب عیسوی اختیار کر کے دائمی مسرت کی حقدار ہوگی۔

خدیجہ کو جسقدر خوشی اپنی کامیابی سے ہوئی تھی۔ اس سے ہزار گنا زیادہ رنج اسے پادری جوزف کی اس خواہش سے ہوا مسز سور خدیجہ کے بشرے سے تاڑ گئی۔ کہ وہ رنجیدہ ہو رہی ہے۔ فوراً اٹھ کر اس کے پاس آئی۔ اور کہا۔

پیاری خدیجہ۔ رنج کو دل میں جگہ نہ دو۔ اس وقت خوشدلی سے پادری جوزف کی تقریر کا شکریہ ادا کرو۔ بعد میں دیکھا جائیگا

خدا تمہارا مددگار ہے۔"

خدیجہ نے دل کو سنبھال کر پادری جوزف کا ایک مختصر تقریر میں شکریہ ادا کیا۔ اور جواب میں کہا۔

"خدا پادری صاحب کو اپنی خواہش کے پورا ہونے کا موقعہ [illegible] کہنے کو تو اس نے یہ بات کہدی۔ مگر اس کے دل کی بری حالت ہوئی اور یہاں اسے باقی وقت گذارنا مشکل ہوگیا۔ غرض جلسہ تھوڑی دیر کے بعد ختم ہوگیا اور وہ سیدھی اپنے کمرے میں پہنچی۔ اور اپنے دل [illegible] آنسوؤں کے ذریعے نکالنے لگی۔ مسز مور بھی [illegible] گئی۔ اور وہ بھی سب کام سے فراغت پاتے ہی خدیجہ کے کمرے [illegible] اور اسے روتا ہوا پایا۔ تو اسے دلاسا دیا۔ کہ تعلیم کی غرض سے [illegible] تمہیں مجبوراً مشن میں رہنا پڑیگا۔ جس کا نتیجہ سوائے تمہاری تعلیم کی راہ میں [illegible] کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اگر ہمت کو مضبوط رکھوگی۔ تو اس کا نتیجہ اچھا ہوگا۔ اور مجھے بھی تمہارے توسل سے اسلام جیسی نعمت میں نصیب ہوگی۔"

خدیجہ کو مسز مور کی باتوں سے تسلی ہوئی۔ اور اس نے [illegible] کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا۔

"میری مہربان بہن مسز مور میں تمہارا شکریہ [illegible] ہر بات میں تمہاری ہمدردی۔ میرے لئے باعث تسلی [illegible] ہے اور تمہاری مدد میری مصیبتوں کے بار کو ہلکا کر دیتی ہے۔ خدا عین اسلی جزائے خیر دے۔ اور اسلام پاک تمہیں نصیب کرے اور تم جلدی مسلمان ہو جاؤ۔ آمین۔"

مسز مور نے ادھر تو خدیجہ کو سمجھا دیا۔ اور ادھر اپنے بھائی پادری جوزف کو کہا۔

"خدیجہ کو عیسائی بنانے میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔ اسے وقت دیا جائے۔ اور احسان سے اس کی گردن دبائی جائے۔ تاکہ وہ عقل سے کام لے کر خود بخود عیسائیت کی طرف رجوع کرے"

پادری جوزف کو بہن کی بات پسند آئی۔ اور اس نے کہا۔

"اچھا جیسی تمہاری مرضی۔ مجھے اس میں کچھ عذر نہیں۔ مگر کبھی کبھی اس کو گرجے میں اپنے ساتھ لے آیا کرو۔ اور سیر و تفریح میں بھی اس کو اپنے ساتھ شامل رکھو۔ تاکہ آزادی کا مادہ اس کے دل میں پیدا ہو"

مسز مور نے بھائی کی دلجمعی کی۔ اور کہا

"ایسا ہی ہوگا۔ جیسی کہ آپ کی خواہش ہے" اور خدیجہ کو بھی سب اسود بخوبی سمجھا دیئے۔

خدیجہ ہائی اسکول جماعت میں داخل ہوئی۔ اور ہر امتحان میں اسکول کی سب لڑکیوں سے اول نمبر پر آتی تھی۔ اور کبھی کبھی مسز مور کے ہمراہ گرجے کو بھی جاتی۔ مگر بے دلی سے مجبوراً۔ اور کبھی کبھی سیر و تفریح میں بھی مسز مور کا ساتھ دیتی۔ مگر باوجود اس قدر مشغولیت کے اسے اپنی حالت بچی کی گمشدگی۔ اور والدین کی بربادی کا غم ایک منٹ بھی چین نہ لینے دیتا تھا۔ جب وہ کسی کے بچے کو دیکھتی۔ تو فرخندہ کی تصویر ان کی آنکھوں میں پھر جاتی۔ اور وہ تنہائی میں بیٹھ کر دل کا بخار آنکھوں کے راستے نکالتی۔ مشن کا باغ اس کی تنہائی کا مونس تھا۔

جہاں وہ گھنٹوں بیٹھ کر اپنے پچھلے زمانے کی یاد میں اپنے پیارے بچھڑے ہوئے عزیزوں کے غم میں کڑ وے آنسو بہاتی۔ اور بے چین ہوا کرتی۔

آخر خدیجہ کی لگاتار محنت ٹھکانے لگی۔ اور وہ انٹرینس میں اول درجہ پر پاس ہوئی۔ اور اسے اول درجہ کا وظیفہ ملا۔ اس نے ڈاکٹری پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور مسز مور کی کوشش سے آگرہ میڈیکل کالج میں ڈاکٹری پڑھنے کیلئے داخل ہوئی۔

جب وہ لاہور سے رخصت ہوئی۔ تو اس کا رنج و غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے وطن چھوڑنے کا سخت رنج تھا۔ حالانکہ وطن میں اسے کیا حاصل تھا۔ سوائے اس کے کہ یہ کہے میرا وطن ہے۔ مگر اس کا دل وطن سے جدا ہونے کو نہ چاہتا تھا۔ اس لئے کہ وہ اس زمین پر بہت سے خوشی و غم کے منظر دیکھ چکی تھی۔ وہ مجبوراً غم و اندوہ کی آہیں بھرتی ریل میں سوار ہوئی۔

تیرھواں باب

اس باغ دہر میں ہم آئے کیوں کیا کہیے حکایت زیست کی
افلاک نے رکھ کر مگر میں برباد دبے سرد سامان کیا

خدیجہ لاہور چھوڑ کر آگرہ آئی۔ اور میڈیکل کالج کے زنانہ بورڈنگ ہوس میں داخل ہوئی۔ وہاں اس نے ہر قوم کی لڑکیاں دیکھیں۔ عرصہ دراز

کے بعد اپنی ہم مذہب مسلمان بہنوں سے ملنا نصیب ہوا۔ جن کی صحبت سے وہ اس قدر خوش ہوئی۔ کہ گویا اسے گنج قارون لگیا ہے۔ وہ مسلمان بہنوں کے کپڑے سیں جاتی۔ اور نہایت خشوع و خضوع سے پانچوں وقت کی نماز ادا کرتی۔ اور اپنے ارادوں کی کامیابی کے لئے رو رو کر دعائیں مانگتی۔ بچپنے سے دینداری کا مادہ جو رگ رگ میں پیوست تھا۔ اور کچھ عرصہ سے خارجی رکاوٹ سے دبا ہوا تھا۔ چمک اٹھا۔ اور وہ مسلمان لڑکیوں کی دینداری میں رہنما بن گئی۔ رمضان شریف آیا۔ تو اس نے سب لڑکیوں کے ساتھ مل کر روزے رکھے۔ اگر کوئی لڑکی روزہ قضا کرتی تو وہ اسے دوسرے دن نہایت تاکید سے روزہ رکھواتی۔ پانچوں وقت کی نماز سب لڑکیاں مل کر ادا کرتیں۔ خدیجہ کے صحبت کے اثر سے سب لڑکیاں پکی نمازن بن گئیں۔ جب کالج میں خدیجہ کی دینداری کا چرچا پھیلا۔ تو عیسائی لیڈیوں نے بھی۔ اور مس ایلیس نے جو خدیجہ کے ہمراہ لاہور مشن سے ڈاکٹری پڑھنے آئی تھی۔ پادری جوزف کو لکھا۔ کہ خدیجہ جو عرصہ چار سال سے مشن کی نگرانی میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ اور جسے سب مشن والے عیسائی سمجھتے تھے۔ وہ مسلمان ہے۔ اور ارکان اسلام بجالانے میں بورڈنگ ہوس کی تمام لڑکیوں سے اس کا اول نمبر ہے۔ اس لئے اب اسے مشن کی طرف سے ہرگز مدد نہیں ملنی چاہئے۔

پادری جوزف مس ایلیس کا خط پڑھکر نہایت برہم ہوا۔ اور فوراً بہن کے پاس گیا۔ اور کہا۔

"بہن تمہاری نازبرداری نے خدیجہ کو کھلم کھلا مسلمان ہونے

کا موقع دیا۔ مشن کی چار سالہ محنت برباد ہوگئی۔ جتنا اس پر خرچ ہوا۔ وہ سب ضائع گیا۔ اگر تم مجھے اس کو پلٹسنہ دینے کو منع نہ کرتی۔ اور اسے آگرہ بھیجنے کی کوشش نہ کرتیں۔ تو اسے ہرگز اتنی ہمت نہ پڑتی۔ کہ وہ مسلمان ہوتی۔ تم اسے لکھدو کہ اب وہ اپنا بندوبست آپ کرے۔ مشن سے اس کو مطلق مدد نہیں ملے گی۔

مسز مور نے کہا۔

یہ تو اس نے بہت برا کیا۔ کہ وہ مسلمان ہوگئی۔ مگر ہمیں اسے مدد دینی بند نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ انسانی ہمدردی کا یہ قاعدہ نہیں ہے۔ ہمیں یسوع مسیح کی تعلیم کو نہیں بھولنا چاہیئے۔ کہ انسان تو انسان حیوان تک کی مدد میں دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ نا کہ انسان سے۔ البتہ مدد میں کمی کی جائے۔ اور اسے لکھدیا جائے۔ کہ محض انسانی ہمدردی کے فرائض کو مدنظر رکھ کر تمہیں مدد دی جاتی ہے۔ ورنہ تم مشن کی مدد کی مستحق نہیں ہو۔ کیونکہ تم مسلمان ہو مشن اسی کو مدد دیتی ہے۔ جو عیسائی ہو۔ اور کسی دوسرے مذہب والے کو نہیں"۔

پادری جوزف نے کہا۔

"اچھا اتنی مدد بھی میں صرف تمہاری خاطر منظور کرتا ہوں۔ ورنہ میں تو اس سے سخت بیزار ہوں"۔

اس نے خدیجہ کے ماہواری خرچ میں نصف کی کمی کر کے اس کو ایک ملامت آمیز خط لکھا۔ اور مسز مور نے بھی خدیجہ کو خط لکھا۔ اور یا کچھ تو

روپیہ کے نوٹ رجسٹری کروا کر بھائی سے پوشیدہ اسے روانہ کر دیئے
خدیجہ کالج سے آئی۔ تو اسے لاہور کی ڈاک میں ایک خط پادری جوزف کا اور ایک رجسٹری لفافہ ملا۔ اس نے کتابیں رکھ کر سب سے پہلے خطوں کو پڑھنا شروع کیا۔ پادری جوزف کا خط پڑھ کر اس کے دل کو نہایت رنج ہوا۔ اس کے پرانے زخم پھر تازے ہو گئے۔ اس کی آنکھیں سیل اشک بہانے لگیں۔ وہ رو رہی تھی۔ کہ اسے اتفاقیہ سہیلی مس قدسیہ ہمایون جنگ .... اپنے کمرے کی طرف آتی نظر پڑی۔ اس نے جلدی سے آنکھیں رومال سے صاف کیں۔ اور سنبھل کر بیٹھ گئی۔ لیکن مس قدسیہ ہمایون جنگ نے اسے روتا ہوئے دیکھ لیا۔ اور آتے ہی مزاج پرسی کے بعد پوچھا۔ کہ

"پیاری بہن بتاؤ۔ تم رو کیوں رہی ہو"۔

خدیجہ نے اسے بہتیرا ٹالا۔ مگر اسے خدیجہ سے سچی محبت تھی۔ اور وہ خدیجہ کو دلی دوست سمجھتی تھی۔ وہ خدیجہ کو رنجیدہ نہ دیکھ سکی۔ اس لئے اس نے اسے مجبور کیا۔ کہ وہ اپنے دل کا حال بتائے۔ تو خدیجہ نے مجبور ہو کر پادری جوزف کا خط دکھایا۔ اور مختصر طور سے اپنی سرگذشت سنائی بس قدسیہ ہمایون جنگ کو خدیجہ کی درد بھری سرگذشت سے نہایت رنج ہوا۔ اور مزید رنج اسے پادری جوزف کے خط نے دیا۔ اس نے نہایت ہمدردی سے کہا۔

"میری پیاری بہن خدیجہ تم کوئی فکر نہ کرو۔ اور کسی قسم کے اندیشہ کو دل میں جگہ نہ دو۔ خدا رزاق ہے۔ وہ خود تمہارا مددگار ہے۔ یہ نصرانی تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں۔ جبکہ اس کا

فضل شامل حال نہ ہو۔ تم مشن کی مدد لینی بالکل بند کر دو۔ اور اخراجات کی کوئی فکر نہ کرو۔ میرے والد تمہاری خدمت کو موجود ہیں۔ میں تمہاری تعریف آگے بھی اپنے والدین کو لکھی تھی۔ اب بھی تمہاری سرگذشت لکھوں گی۔ تو انشاءاللہ آئندہ ماہ ہی تمہیں کا ہواری خرچ میرے خرچ کے ہمراہ بھوپال سے آئیگا۔"

خدیجہ نے مس قدسیہ ہمایوں جنگ کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا۔

"فی الحال تم اپنے والدین کو تکلیف نہ دو۔ میں قوم کے آگے اپیل کروں۔ شاید قوم۔ میری دستگیری کرے۔"

ان باتوں میں خدیجہ کو رجسٹری کا خیال نہ رہا۔ قدسیہ کی نظر پڑی۔ تو اس نے کہا۔

"بہن خدیجہ یہ رجسٹری کہاں سے آئی ہے؟"

خدیجہ نے کہا۔

"ادھو مجھے تو باتوں میں اس کا خیال ہی نہ رہا۔ خط سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ میری مہربان بہن مسز سور نے بھیجی ہے؟"

لفافہ چاک کیا۔ تو سنتؔ کے پانچ نوٹ نکلے۔ اور ایک خط۔ خط کو کھولا۔ تو یہ مضمون نظر پڑا۔

ڈیر خدیجہ!

"تمہاری دینداری کا چرچا سنکر دل کو بے حد خوشی ہوئی۔ دعا کرتی ہوں۔ کہ خدا تمہارے ایمان میں ترقی دے۔ اور تمہارا انجام اسلام پاک پر ہو۔ پیاری بہن۔ تم نے اپنا ما فی الضمیر

ظاہر کرنے میں بہت جلدی کی۔ گو کہ میں جانتی ہوں۔ کہ تمہارا سچا اسلامی جوش تمہیں چین نہ لینے دیتا تھا۔ مگر تم کچھ عرصہ اور یہ جوش سینے میں دبائے رکھتیں۔ تو بہتر تھا۔ کیونکہ صرف دو سال تمہاری تعلیم میں باقی رہ گئے تھے۔ لیکن اب مشن والے تم سے بہت برہم ہیں۔ جس کا حال تمہیں بھائی یوسف کے خط سے معلوم ہو گیا ہو گا۔ اب مجھے فکر ہے۔ کہ تمہاری تعلیم کا خرچ کیسے چلیگا۔ اگر تم کوشش کرو۔ تو شاید تمہاری قوم تمہیں مدد دے تعبیر مشن کا وہ وظیفہ ہی جو وہ اب تمہیں دینا چاہیں۔ بالکل بند کر دو۔ میں تمہاری مدد کو ہر وقت موجود ہوں۔ تمہیں جس وقت ضرورت پڑے۔ بلا تامل مجھے لکھو۔ فی الحال یہ پانچسو کے نوٹ تمہارے اخراجات کے لئے ارسال کرتی ہوں۔ انہیں اپنے خرچ میں لاؤ۔ اور آئندہ جس چیز کی ضرورت پڑے بلا پس وپیش لکھو۔ میں تمہاری بڑی بہن ہوں۔ امید کرتی ہوں۔ کہ تم بھی مجھے اپنی بہن ہی سمجھوگی"۔

"پیاری خدیجہ تعلیم میں جان توڑ کر کوشش کرنا۔ کیونکہ عیسائی لیڈیاں جو تمہارے کالج میں ہیں۔ سب تمہاری سخت دشمن ہو رہی ہیں۔ اگر ذرا بھی تمہیں کمزور پائیں گی۔ تو کالج سے نکالنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گی۔ زیادہ پیار۔

تمہاری سچی قدردان بہن "مسز مور"

خدیجہ نے خط پڑھکر قدسیہ کو دیا۔ اور اس نے اسے پڑھکر کہا۔

"بیشک مسز مور تمہاری سچی ہمدرد ہے۔ مگر ہے۔ وہ بھی

عیسائی۔ اس لئے میرے خیال میں تم ان کے روپے بھی واپس کر دو"

خدیجہ نے اسے بتایا۔

"گو وہ عیسائی ہے۔ مگر دل میں اسلام پاک کی آرزو رکھتی ہے اور صرف میری ہی وجہ سے وہ ابھی اپنے اسلام کا اعلان نہیں کرتی۔ امید ہے۔ کہ جب مری تعلیم مکمل ہو جائیگی۔ تو وہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کریگی"

قدسیہ ہمایون جنگ مسز مور کے اسلام کا حال سنکر بہت خوش ہوئی۔ اور کہا۔

"مسز مور چاہے تو ابھی مسلمان ہو جائے۔ میرے والدین آپ دونو کی خدمت کو موجود ہیں۔ کیونکہ وہ دل میں اسلام پاک کی سچی محبت رکھتے ہیں۔ اور اپنے دینی بھائیوں کی خدمت کرنا فرض اولین جانتے ہیں خدا نے انہیں دینی دولت بھی بیشمار دی ہے اولاد میں سوائے میرے اور کوئی بچہ نہیں"

خدیجہ "میری ہمدرد بہن۔ میں تمہاری خلوص دل کی ہمدردی کیلئے نہایت شکرگذار ہوں۔ مگر ابھی موقعہ نہیں۔ خدا نے چاہا تو وقت پر ہر ایک بات ہو جائیگی"

چودہواں باب

قسمت تو پھر گئی تھی زمانہ بھی پھر گیا۔
دیکھوں ابھی دکھائیگا کیا آسمان مجھے

دوسرے دن صبح اٹھتے ہی خدیجہ نے قوم کی خدمت میں اپنی امداد کے لئے ایک پر زور اپیل لکھی۔ اور اسے چھپنے کیلئے چند نامی گرامی اخبارات میں بھیج دیا۔ اس کی اپیل سب اخباروں میں نکلی مگر کوئی بندۂ خدا اس کی مدد کو کھڑا نہ ہوا۔ اور اس کی صدا اکارت گئی۔ قوم کی اس لاپرواہی سے اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اور وہ آزردہ ہوکر کہنے لگی۔

"اللہ۔ اللہ۔ ایک وقت وہ تھا۔ کہ فرزندان اسلام کے پاس کوئی منکر رسالت بھی طالب امداد ہوتا۔ تو وہ اسلام کے شیدائی جان و مال سے اس کی خدمت کو اٹھ کھڑے ہوتے۔ یا ایک یہ بھی وقت ہے۔ میں اسی اسلام پاک کی نام لیوا ہوکر اپنے دینی بھائیوں کے دروازوں پر صدا لگا رہی ہوں۔ مگر کوئی اللہ کا بندہ میری صدا پر کان نہیں دھرتا۔ یہ سب مذہب سے لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔ خدا۔ میرے مسلمان بھائیوں کو توفیق دے۔ کہ وہ اپنا بھلا برا سمجھ سکیں"

اس نے قدسیہ ہمایون جنگ کے استفسار پر اسے بتایا۔

"میری اپیل رائیگاں گئی۔ کسی نے بھی میری التجا پر کان نہیں دھرا۔ افسوس دنیا میں میرے لئے کہیں پناہ کی جگہ نہیں رہی"

وہ افسردہ ہوکر چپ ہوگئی۔ قدسیہ ہمایون جنگ نے کہا۔

"بہن۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ تمہاری اپیل رائیگان گئی۔ تو جا یند و ابھی قوم میں ایسے آدمی موجود ہیں۔ جو دل میں اسلام پاک کا سچا درد رکھتے ہیں۔ اور فرزندان توحید کی خدمت کرنے کو دل و جان سے حاضر ہیں۔ تم اطمینان رکھو۔ اور فکر کو دل میں ہرگز جگہ

Taj Tahir Foundation

نہ دو۔ خدا مسبب الاسباب ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے۔ بندے کے حق میں بہتر ہی کرتا ہے۔"

قدسیہ ہمایوں جنگ کا باپ نواب ہمایوں جنگ نہایت مخیر امیر کبیر آدمی تھے۔ لاکھوں کی جائداد ملکیت میں تھی۔ دل میں اسلام کا سچا درد تھا۔ انہوں نے اپنے خرچ سے ایک محتاج خانہ قائم کر رکھا تھا۔ جس سے کہ بیسیوں بے یار و مددگار فائدہ اٹھا رہے تھے۔ ایک لنگر خانہ جاری تھا۔ جس سے ہر روز سینکڑوں کا پیٹ بھرتا تھا۔ بیسیوں وظیفے جاری کر رکھے تھے جس سے طالبان علم تحصیل علم میں لگے ہوئے تھے۔ غرض کہ نواب صاحب وہ صفات غریبوں بیکسوں یتیموں کے لئے مایہ رحمت تھی۔ نواب صاحب کی اولاد ایک ہی بیٹی تھی۔ جسے انہوں نے دل کھول کر تعلیم سے بہرہ اندوز کیا تھا۔ گو کہ نواب صاحب قدیمی روش کے بزرگ تھے۔ مگر تھے روشن خیال۔ انہوں نے قدسیہ کو اس خیال سے ڈاکٹری پڑھنے آگرہ بھیجا تھا۔ کہ عورت ذات ہے۔ قسمت کی کچھ خبر نہیں۔ ہاتھ میں کوئی ہنر ہوگا۔ تو وقت پڑے کام آئیگا۔

قدسیہ نے اپنے باپ کی خدمت میں خدیجہ کا مختصر حال لکھا۔ وہ تو ایسوں کی مدد کرنی خدا سے چاہتے تھے۔ قدسیہ کی ماں نواب زمانی بیگم خدیجہ کی خاطر آگرے آئی۔ اور بورڈنگ ہوس میں بیٹی کے پاس قیام کیا۔ اور خدیجہ کو بہت تسلی دی۔ اور کہا۔

"بیٹی خدیجہ تم مجھے اپنی ماں کی مانند سمجھو۔ اور قدسیہ کو بہن۔ تم اپنے اخراجات سے بالکل بیفکر رہو ہم تمہاری مدد کے لئے حاضر ہیں۔"

Taj Tahir Foundation

اور انہوں نے طلائی کڑوں کی ایک جوڑی خدیجہ کو تحفہ کے طور پر دی
نواب زمانی بیگم کی محبت وعنایت سے وہ نہایت محظوظ
ہوئی۔ فرطِ خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اس نے
نواب زمانی بیگم کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور رقت بھری آواز
سے کہا۔

"یہ میری عنایت فرما بیگم صاحبہ۔ میں آپ کی محبت والفت
دلی سچی ہمدردی جس کا اظہار آپ نے اس خادمہ سے کیا ہے
کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔ دعا کرتی ہوں۔ کہ وہ عالم پاک آپ
کو تا قیامت سلامت رکھے۔ اور میری پیاری مہربان بہن
قدسیہ بیگم کی خوشیاں دیکھنی نصیب کرے۔ آمین"

نواب زمانی بیگم چار دن آگرہ رہ کر بھوپال سدھاریں۔ خدیجہ نے
قدسیہ کے مشورے سے مسز مور والا پانچسو روپیہ پادری جوزف
کو مشن کی مدد کے لئے بھیجدیا۔ اور مشن کی گذشتہ مدد کے شکریہ میں
ایک خط بھی لکھا۔ اور ایک خط مسز مور کو تمام حالات کا لکھا۔ مسز مور
خدیجہ کے سرپرست پیدا ہو جانے کا سنکر نہایت خوشی ہوئی۔ اس
نے خدیجہ کو لکھا۔ کہ

"تم نے بہت اچھا کیا۔ کہ مشن کو روپیہ بھیجدیا۔ امید ہے۔ کہ
اب مشن والے تم سے خار نہیں کہائینگے"

خدیجہ اب بیفکری سے اپنی پڑھائی میں مشغول ہو گئی۔ اسنے پہلی
کلاس کی دو لڑکیوں کو پڑھانے کی ڈیوٹی کر لی۔ جس سے اسے بیس
روپے ماہوار کی آمدنی ہونے لگی گو قدسیہ ہمایون جنگ نے اسے

پڑھانے سے منع کیا۔ پر اس نے اسے یہ کہہ کر منا لیا۔ کہ یہ روپیہ خیرات کے کام آئیگا۔

وہ اپنے کالج کی لڑکیوں میں ہر دلعزیز تھی۔ وہ حتی الوسع ہر ایک لڑکی کے کام آتی۔ اگر کسی لڑکی کو لیکچروں کے نوٹ لینے کی ضرورت پڑتی تو وہ اسے اپنی نوٹ بک سے نقل کر دیتی۔ کسی کو کتاب کے مضمون کی سمجھ نہ آتی۔ تو وہ اسے بڑی خوشی سے مشکل اور دقیق مضمون کو چند منٹوں میں سمجھا دیتی۔ کسی غریب لڑکی کو مدد کی ضرورت ہوتی۔ تو وہ چپکے سے اس کی مدد کو جا حاضر ہوتی۔ وہ اپنی پڑھائی میں بھی بہت محنت کرتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہر امتحان میں سب لڑکیوں سے اول نمبر رہتی۔

کالج میں چھٹیاں ہوتی۔ تو اسے قدسیہ ہمایون جنگ اپنے ہمراہ بھوپال لے جاتی۔ جہاں کہ وہ ظاہرہ چھٹیوں کے دن بہت اچھی طرح گزارتی۔ لیکن اس کی اندرونی خلش اسے ایک دم بھی چین نہ لینے دیتی اور وہ رات کی سنسان گھڑیاں اکثر اشک شوئی میں گذارتی۔

آخر اس کی تین سال کی محنت بار آور ہوئی۔ اور وہ سب اسسٹنٹ کے امتحان میں اول نمبر آئی۔ اور بیس سال کی عمر میں اس نے سند ڈاکٹری حاصل کر لی۔ اور دہلی میونسپل ہسپتال میں مقرر ہو کر دہلی آ گئی۔

خدیجہ دہلی آئی۔ اور ڈاکٹری کا کام شروع کیا۔ مسز مور کو خدیجہ کی کامیابی و ملازمت سے نہایت خوشی ہوئی۔ اس نے ارادہ کر لیا۔

کہ اب وہ بھی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دے۔ پر اسے بھائی کی
رکاوٹ تھی۔ جس کی وجہ سے اسے کسی قدر تامل تھا۔ آخر ایک دن اس
نے اپنا ارادہ اپنے بھائی پادری جوزف پر ظاہر کیا۔ پادری جوزف
بہن کے مسلمان ہونیکا ارادہ معلوم کرکے نہایت برافروختہ ہوا۔ اور
دونو بہن بھائی میں مباحثہ شروع ہوا۔ مباحثہ سے سخت گفت گو
پر اتر آئے۔ پادری جوزف نے بہن کو دہمکی دی۔ کہ اگر تو مسلمان ہوئی۔
تو میں تجھے گولی مار دونگا۔ مسز مور نے جواب دیا۔

"چاہے گولی مارو۔ چاہے کچھ کرو۔ میں نے جو ارادہ کیا ہے
اسے ہرگز نہ بدلونگی۔"

سہ پہر کو دونوں بہن بھائی میں یہ گفت گو ہوئی۔ شام کے کھانے کے
بعد پادری جوزف کے گردے میں سخت درد اٹھا۔ رات اس نے
تڑپ تڑپ کر گذاری۔ دوا علاج میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہوا۔
مگر اس کی زندگی کے دن پورے ہوچکے تھے۔ اس لئے کوئی دوا اثر پذیر
نہ ہوئی۔ اور وہ دن چڑھتے ہی عالم بالا کو سدہارا۔

مسز مور کو بھائی کی اچانک موت سے سخت صدمہ ہوا۔ اور
وہ بیمار ہوگئی۔ خدیجہ کو خبر پہنچی۔ تو اس نے اسی وقت اسے ارجنٹ
تار دیا۔ کہ فوراً دہلی آجاؤ۔

مسز مور بہت جلد دہلی میں پہنچ گئی۔ خدیجہ نے نہایت توجہ
اور دلسوزی سے اس کا علاج کیا۔ اور وہ ایک مہینہ میں بالکل تندرست
ہوگئی۔ اب مسز مور کو کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اس نے جمعہ کے روز کو
مبارک خیال کرکے جامع مسجد کے امام کے ہاتھ پر شرف باسلام

Taj Tahir Foundation

ہوئی۔ اس کا اسلامی نام عائشہ بیگم رکھا گیا۔ اور اس نے خدیجہ کے پاس ہی اقامت اختیار کی۔

خدیجہ کی آمدنی معقول تھی۔ جس سے دونوں کے اخراجات پوری ہو کر کافی روپیہ بچ رہتا تھا۔ عائشہ بیگم کے پاس بھی خاصہ سرمایہ تھا۔ اس نے تنہائی سے گھبرا کر مسلمان لڑکیوں کے لئے مدرسہ کھول دیا۔ جس نے جلد ہی خوبیٔ تعلیم کے سبب عوام میں بہت شہرت حاصل کی۔

برسات آتے ہی دہلی میں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ اموات کا بازار گرم ہوا۔ بیماری کی وجہ سے خدیجہ کا کام بڑھ گیا۔ وہ صبح سات بجے کام پر جاتی۔ تو اسے بارہ ایک ہسپتال میں ہی بج جاتے۔ اسے اتنی بھی فرصت نہ ہوتی۔ کہ گھر جا کر کھانا نوش کرے۔ شہر میں ایک ہی مسلمان لیڈی تھی۔ معزز گھرانوں میں اس کی آمد اچھی نظروں میں دیکھی جاتی تھی۔ اس لئے اسے دو گھنٹہ بھی آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا۔ اور اسے کسی نہ کسی مریض کو دیکھنے جانا پڑتا تھا۔

سارے دن کی تھکی ماندی خدیجہ کھانا کھاتے ہی پلنگ پر لیٹ گئی۔ ابھی اسے سوئے ہوئے تھوڑا ہی وقت گذرا تھا۔ کہ اس کے ہمسائے کی ایک عورت ہیضہ میں مبتلا ہو گئی۔ آدمی اسے بلانے آیا۔ عائشہ بیگم کا دل گوارا نہ کر سکا۔ کہ سارے دن کی تھکی ہوئی کو آرام کرتے ہوئے جگائے مگر ہمدردی کا مادہ اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر خدا نے بھر دیا تھا۔ اور وہ کبھی مدد کے طالب کو مایوس نہ کر سکتی تھی۔ اس نے خدیجہ کو جگایا۔ خدیجہ کا دل اٹھنے کو نہیں چاہتا تھا۔ مگر اس کا فرض تھا۔ کہ وہ مریض

Taj Tahir Foundation

کو دیکھنے چلئے۔ وہ با دل ناخواستہ بستر سے اٹھی۔ لباس بدلا۔ اور جاکر مریضہ کو دیکھا۔ نسخہ لکھ کر ہدایت وغیرہ کر کے گھر آئی۔ اور آتے ہی اسے متلی۔ اور ساتھ ہی استفراغ بھی شروع ہوا۔ عائشہ بیگم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ فوراً دوا استعمال کرائی۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور بیماری بڑھتی گئی۔ اور چار دن تک بیماری میں کمی نہ ہوئی۔ آخر سول سرجن کو بلایا گیا۔ اور اس کے علاج سے خدیجہ کو آرام ہوا۔ اس نے ہسپتال سے ایک مہینے کی رخصت لے لی۔ تاکہ پوری صحت ہو جائے

شہر میں وبا کا وہی حال تھا۔ بیماری کسی صورت سے گھٹنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ اس پر بارش نے وہ غضب ڈھایا۔ کہ دنیا الاماں پکار اٹھی۔

پندرھواں باب

ملتا ہے مجھ کو دختر گمگشتہ کا سراغ
بے انتہا نشاط کی یہ ابتدا ہوئی

صبح سات بجے کا وقت تھا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی خدیجہ اپنے کمرے میں پلنگ بیٹھی ہوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔ کہ ایک عورت آئی۔ اور کہنے لگی۔

"ڈاکٹر بی صاحبہ۔ میں آپ کو لینے آئی ہوں۔ بیگم نواب مظفر الدولہ ہیضہ میں مبتلا ہیں۔ آپ چلیں۔ گاڑی دروازے پر

Taj Tahir Foundation

حاضر ہے۔"

خدیجہ:" مائی میں خود بیمار ہوں۔ ابھی ہیضہ سے مرمر کر بچی ہوں۔ اس لئے میں نہیں جا سکتی۔ تم اور کوئی لیڈی ڈاکٹر ڈھونڈنے جاؤ۔"

وہ عورت واپس چلی گئی۔ اور نصف گھنٹے کے بعد ایک اور عورت کو ہمراہ لے کر آئی۔ اور کہا۔

"ڈاکٹرنی صاحبہ۔ بیگم صاحبہ سخت بیمار ہیں۔ وہ اور کسی لیڈی ڈاکٹر یا مرد ڈاکٹر کو ہاتھ دکھانا پسند نہیں کرتیں۔ مہربانی کرکے آپ ضرور چلیں۔"

خدیجہ:" مائی جانے میں مجھے کوئی عذر نہیں۔ میرا کام ہی یہی ہے۔ مگر میں کمزور ہوں۔ بارش ہو رہی ہے۔ اگر ہوا لگ گئی۔ تو میں بیمار ہو جاؤنگی۔"

دوسری عورت جو بیگم نواب مظفر الدولہ کی مغلانی تھی۔ اس نے کہا "ہم نے بارش اور ہوا سے بچنے کا پورا بندوبست کر لیا ہے۔ آپ بیفکر رہیں۔ اور مہربانی کریں۔ کیونکہ بیگم صاحبہ پردے کی بڑی سخت پابند ہیں۔ وہ گھر میں نہ کسی عیسائی لیڈی کا آنا پسند کرتی ہیں۔ اور نہ کسی مرد ڈاکٹر کا۔ وہ سخت بیمار ہیں نواب صاحب نے کہا ہے۔ نہایت مہربانی ہوگی۔ جو آپ اس وقت تشریف لاکر مریضہ کو دیکھ جائیے۔"

مجبوراً خدیجہ اٹھی۔ کپڑے بدلے۔ اور فنس میں سوار ہو گئی۔

فنس نواب مظفر الدولہ کی ڈیوڑھی خاص پر رکی۔ لونڈیوں کا ایک جھرمٹ نمودار ہوا۔ پردہ کیا گیا۔ خدیجہ فنس سے نکلی۔ اپنی نوکرانی ہمراہ

Taj Tahir Foundation

لائی تھی۔ اس نے دوائیوں کا بیگ اٹھالیا۔ اور وہ ڈاکٹر نیوں کے ہمراہ اندر آئی۔ سامنے سے ایک دس سالہ لڑکی آئی۔ جس نے اسے نہایت مودبانہ طریقے سے سلام کیا۔ اور اسے اپنے ہمراہ بیگم کے کمرے میں لے گئی۔ خدیجہ نے بیگم کی نبض دیکھی۔ آلات ڈاکٹری سے اس کے سینہ پھیپھڑے۔ معدے کا معائنہ کیا۔ اور کہا۔

"کوئی خطرے کی بات نہیں ہے۔ انشاء اللہ دو دن میں آرام ہو جائیگا"

اپنے بیگ سے ایک دوائی نکال کر اسے پلائی۔ نسخہ لکھا۔ اور کہا۔ "نسخہ ابھی منگایا جائے۔ میں اپنے سامنے ایک خوراک بیگم صاحبہ کو پلا جاؤں"

تسلی آمیز باتیں کیں۔ بیگم مظفر اللہ کو خدیجہ کی دلجوئی کی باتوں سے رس ملتا ہی۔ ورنہ وہ تو چلاچلی کے خیال میں تھی۔ خدیجہ نے بیگم کے کمرے سے ہجوم کم کرایا۔ کہ اتنی عورتیں مریضہ کے پاس نہیں ہونی چاہیئے۔ صرف دو ایک عورتیں مریضہ کے کمرے میں ہوں۔ جو کہ تیمارداری کے اصول سے پوری طرح واقف ہوں۔ اور کوئی نہ پاس آئے خدیجہ گھنٹہ بھر بیٹھی بیگم سے باتیں کرتی رہی۔ وہ لڑکی بھی وہیں بیگم کے پاس بیٹھی تھی۔ دوران گفتگو میں خدیجہ کی نظر بار بار لڑکی کے چہرے پر پڑتی۔ اور اس کے دل میں ایک نامعلوم سا جوش اٹھتا تھا۔ اور اس کا دل نہ چاہتا تھا۔ کہ لڑکی کے چہرے پر سے نظر ہٹائے۔

آخر دوا آئی۔ خدیجہ نے ایک خوراک اسی وقت بیگم کو پلادی

اور کہا۔

"آپ میں سے کوئی دوا دینے کا طریقہ سمجھ لے۔ تاکہ دوائی وقت پر ملتی رہے"

بیگم نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ اٹھ کر خدیجہ کے پاس آئی اور کہا "ڈاکٹرنی صاحبہ مجھے دوا دینے کا طریقہ سمجھا دیجیے"

خدیجہ نے کہا۔

"دیکھو بی بی - یہ دو شیشیاں ہیں۔ ایک کے لیبل پر نمبر ایک لکھا ہے - اور دوسری کے لیبل پر نمبر ۲ لکھے ہیں۔ میں نے پہلے نمبر کی شیشی کی ایک خوراک دے کے پلائی ہے۔ اب تم دوسرے نمبر کی شیشی کی ایک خوراک پورے بارہ بجے پلانا۔ اور پھر تین گھنٹے کے بعد نمبر اول کی شیشی سے دوائی کی ایک خوراک پلا دینا۔ اسی طرح نمبر وار تین تین گھنٹے کے وقفے سے تمام دن دوائی دیتے جانا۔ اور شام کو مجھے خبر بھیجنا"

بیگم مظفر الدولہ "ڈاکٹرنی صاحبہ۔ شام کو آپ خود ہی آجائیں۔ آپ کی باتیں مجھے نہایت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ جب تک میں بیمار ہوں۔ آپ دو وقت غریب خانہ پر تشریف لایا کریں"

خدیجہ "مہربانی آپ کی ہے۔ مگر میں خود کمزور ہوں۔ اس لئے دو وقت نہیں آسکتی۔ صبح ہر روز حاضر خدمت ہو جایا کرونگی۔ شام کے آنے سے مجھے معاف کریں۔ صبح آؤنگی"

بیگم نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"حسنی! تم نے دوائی کا طریقہ سمجھ لیا ہے"

اس نے جواب دیا۔

"ہاں ممانی جان ٹھیک طرح سمجھ لیا ہے"۔

حسنی ممانی کے اشارے سے چاندی کی طشتری میں گیارہ روپے رکھ کر لائی۔ اور خدیجہ کے آگے پیش کئے۔ خدیجہ نے شکریہ ادا کر کے اپنی ملازمہ کیطرف دیکھا۔ اس نے روپے اٹھا کر بیگ میں رکھ لئے۔ حسنی نے دو روپے ملازمہ کو دیئے۔ خدیجہ بیگم سے ہاتھ ملا کر ان کی بہن آصف جنگ سے سلام علیکم کر کے رخصت ہوئی۔

گھر آئی تو عائشہ بیگم کو اپنی اتنی دیر کی غیر حاضری سے متفکر پایا۔ تو ہنس کر کہا۔

"آپ بھی خوب ہیں۔ اتنی سی دیر میں متفکر ہو گئی ہو۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے۔ کہ ڈاکٹر کو بعض وقت کئی کئی گھنٹے مریض کے پاس حاضر رہنا پڑتا ہے"۔

عائشہ بیگم نے جواب دیا۔

"میں متفکر تو اس لئے ہوئی۔ کہ تمہاری کمزور طبیعت کا خیال تھا۔ کہ کہیں کچھ نقص طبیعت میں نہ ہو جائے"۔

دیر کا سبب دریافت کیا۔ خدیجہ نے اسے سب باتیں بتائیں۔ اور کہا "وہاں ایک لڑکی تھی۔ جو بیگم مظفر الدولہ کی کوئی عزیزہ تھی۔ مجھے اس سے بے اختیار محبت آتی تھی۔ اور دل یہی چاہتا تھا۔ کہ اسکی صورت کو دیکھے جاؤں۔ خدا معلوم کیا بات تھی"۔

عائشہ نے "اس کی صورت تو تمہارے کسی عزیز سے مشابہ نہ تھی"۔

خدیجہ نے کچھ سوچ کر "ہاں وہ بالکل میری فرخندہ کے مشابہ تھی"۔

Taj Tahir Foundation

اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "

آہ۔ میری فرخندہ ہوتی۔ تو وہ بھی اتنی ہی عمر کی ہوتی۔ خدا جانے کہ وہ زندہ بچی بھی کہ نہیں "

اتنا کہہ کر وہ گہری سوچ میں پڑ گئی۔ عائشہ بیگم نے بھی اس سے زیادہ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ اور خاموش ہو رہی۔ کھانے کی گھنٹی بجی۔ تو وہ اٹھی۔ کھانا کھایا۔ تو بے دلی سے بار بار ٹھنڈی آہیں۔ اس کے سینے سے بے اختیار اٹھتی تھیں۔ اور اسے پژمردہ کئے دیتی تھیں۔ وہ تمام دن بستر پر پڑی کروٹیں بدلتی رہی۔ اور اپنے دلی اندوہ کو آنکھوں کے ذریعہ نکالتی رہی۔

عائشہ بیگم نے اس کی یہ حالت دیکھی۔ تو اسے فکر پیدا ہوئی۔ کہ کہیں وہ پھر بیمار نہ پڑ جائے۔ وہ اس کا دل بہلانے کو باغ میں لے گئی۔ مگر اس کا دل سیر سے بھی نہ بہلا۔ اس کی آنکھیں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس کا دل کسی کی یاد میں بیقرار رہتا۔ تو وہ کیسے بہلتی۔ وہ چاہتی۔ کہ کاش کہیں سے فرخندہ آجائے۔ اور وہ اسے سینے سے لگا کر دل کی لگی آگ کو بجھائے "

وہ باغ سے واپس آئی۔ تو اس نے بیگم مظفر الدولہ کی خواص کو موجود پایا۔ جس نے اسے ایک رقعہ دیا۔ اس نے رقعہ لے کر کھولا۔ تو مضمون اس کی نظر پڑا۔

جناب ڈاکٹر صاحبہ۔

تسلیم۔ حسب ہدایت آپ کے تمام دن ممانی جان کو دوا پلائی۔ اب خدا کے فضل سے اسہال اور متلی کو افاقہ ہے۔ پر

بخار ہو گیا ہے۔ ٹمپریچر بڑھا۔ تو بخار ایک سو دو درجے پہنچے۔ پریشانی ہو گی۔ جو آپ اس وقت آکر انہیں دیکھ جائیں۔ اور نسخہ میں تبدیلی کر جائیں۔ فقط حسنی"

خدیجہ حسنی کا خط پاکر نہایت خوش ہوئی۔ اور اسے خط سے ایک گونہ تسلی ہوئی۔ اس نے اسے جواب لکھا۔

پیاری حسنی!

تمہارا رقعہ ملا۔ کیفیت معلوم ہوئی۔ بہت اچھا ہوا۔ کہ بیگم صاحبہ کو بخار ہو گیا۔ کوئی فکر کی بات نہیں۔ یہ ایک نسخہ بھیجتی ہوں۔ یہ دوائی ابھی دینا۔ اور اس کے دو گھنٹے بعد پہلی دوائیاں اسی طریقہ پر دینا۔ اور پھر ان کے بعد ایک گھنٹے کے وقفہ پر یہ دوائی دینا۔ اس طریقے سے یہ تینوں دوائیاں رات بھر دیتی جانا۔ انشاء اللہ انہیں دوائیوں سے بیگم صاحبہ کو آرام ہو جائیگا۔ میں اس وقت نہیں آ سکتی۔ کیونکہ میری طبیعت درست نہیں۔ صبح حاضر خدمت بیگم صاحبہ ہو جاؤں گی۔ فقط ڈاکٹر خدیجہ"

خدیجہ تو نسخہ لکھنے اور رقعہ کا جواب دینے میں لگی۔ عائشہ بیگم نے خواص کو اپنے کمرے میں بلایا۔ اور اس سے پوچھا۔

"یہ حسنی بیگم مظفر الدولہ کی کیا عزیز ہے؟"

خواص نے کہا۔

"جناب حسنی نواب کی بہن کی لڑکی ہے۔ چھ مہینے ہوئے۔ نواب صاحب کی بہن انتقال کر گئی ہیں۔ اور ان کے شوہر نے ایک کمینی عورت سے شادی کر لی ہے۔ اس وجہ سے تب سے

یہ لڑکی ماموں کے پاس ہے۔ بیگم صاحبہ سچ کہتی ہوں۔ کہ یہ لڑکی تو فرشتہ ہے۔ فرشتہ۔ زبان کی میٹھی۔ اور مزاج کی اس قدر نیک ہے۔ کہ کبھی بھول کر بھی کسی کو کڑوی بات نہیں کہتی۔ اور نہ کسی پر خفا ہوتی ہے۔ عمر دیکھو۔ تو کچھ بھی نہیں۔ پر عقل میں بڑوں سے بڑھ کر ہے۔ بیگم صاحبہ نے گھر کا انتظام اس کے سپرد کر رکھا ہے۔ یہ ننھی سی جان ہر وقت کام میں لگی رہتی ہے۔ ہے چھوٹی سی عمر ہے۔ ہنر سب جانتی ہے۔ اور فارسی۔ عربی۔ نہ جانے کون کون سے علم اسے ازبریاد ہیں۔ اب بیگم صاحبہ نے اپنے بڑے لڑکے سے انگریزی پڑھائی شروع کی ہے"۔ خواص یہیں تک کہنے پائی تھی۔ کہ خدیجہ نے خواص کو پکارا۔ وہ آئی۔ تو اسے رقعہ دیا۔ رقعہ لے کر وہ چلی گئی۔ تو اس نے عائشہ بیگم سے پوچھا کہ یہ خواص کیا کہہ رہی تھی۔ عائشہ بیگم نے خواص کی باتوں کا اعادہ کیا مگر اسے ان باتوں سے کچھ تسلی نہ ہوئی۔ اس کا دل کچھ اور ہی چاہتا تھا۔ وہ اٹھی اور بستر پر جا لیٹی۔ ہجوم خیالات سے اس کی بھوک جاتی رہی۔ اس نے رات کا کھانا بھی نہ کھایا۔ اور صبح کی امید میں رات کی گھڑیاں گن گن کر گذارنے لگی۔

صبح ہوتے ہی وہ بستر غم سے اٹھی۔ ضروریات سے فارغ ہو نماز پڑھی۔ اور بعد تلاوت قرآن شریف اس نے بہ نہایت خضوع و خشوع سے زخنده کے ملنے کی خدا سے دعا مانگی۔ عبادت سے فارغ ہوئی۔ تو ناشتے کی گھنٹی بجی۔ اس کا دل ناشتہ کو بھی نہ چاہتا تھا۔ مگر عائشہ کے اصرار سے اس نے ناشتہ کیا

اس نے ناشتے سے فارغ ہوتے ہی جلدی جلدی لباس بدلا۔ کہ بیگم مظفر الدولہ کی خاص سواری لئے آحاضر ہوئی۔ خدیجہ سوار ہو محل میں پہنچی۔ بیگم کو بہ نسبت کل کے بہت آرام تھا۔ وہ بیگم کے اصرار سے دو گھنٹے ان کے پاس بیٹھی رہی۔ اور پھر واپس آگئی۔

غرض کہ خدیجہ برابر آٹھ دن بیگم کے علاج کے لئے ان کے ہاں جاتی رہی۔ بیگم نے اس سے بہناپا جوڑ لیا۔ وہ خدیجہ کی لیاقت و خوش مزاجی کی بہت مداح تھی۔ خدیجہ بھی بیگم سے بہت خوش تھی۔ کیونکہ وہ اس کی سچی قدردان تھی۔ لیکن سب سے بڑھکر بیگم کے پاس خدیجہ کی دلچسپی و مسرت کا سامان حسنی تھی۔ وہ جاتی۔ تو گھنٹوں حسنی سے میٹھی باتیں کرتی۔ اس کی لیاقت کی داد دیتی۔ دل میں ایک خیال تھا۔ جو اسے مجبور کرتا۔ کہ وہ بیگم سے حسنی کی پوری دریافت کرے۔ مگر بیگم کی ناسازیٔ طبیعت مانع تھی۔ اس لئے وہ اپنے اس خیال کو دل میں دبائے ہوئے تھی۔ جب سے اس نے حسنی کو دیکھا تھا۔ اس کے دل میں بے چینی کا ایک دریا موجزن تھا۔ جو اسے کسی پہلو چین نہ لینے دیتا تھا۔

سولھواں باب

دل کا قرار آنکھوں کی ٹھنڈک جگر کا چین
سب کچھ ہی مل گیا ہے جہاں تم مجھے ملے

بیگم پوری طرح تندرست ہو گئی۔ اس نے اپنی صحت کی خوشی میں جشن منعقد کیا خدیجہ کو بمعہ عائشہ بیگم کے مدعو کیا۔ دو دن اپنے ہاں مہمان رکھا۔ جب سب مہمان رخصت ہو گئے۔ اور صرف بیگم کی بہن بیگم آصف جنگ رہ گئی۔ تو خدیجہ بیگم نے بیگم مظفر الدولہ سے کہا
"بہن شفقت آرا اگر اجازت دو۔ تو میں آپ سے ایک بات دریافت کروں"
شفقت آرا۔ (یعنی بیگم مظفر الدولہ) "بڑی خوشی سے دریافت کرو۔ جہانتک میرے علم میں ہوگا۔ میں اس کے بتانے سے گریز نہیں کروں گی"
خدیجہ "یہ تو میں جانتی ہوں۔ کہ پیاری حسنیٰ آپ کی نند کی لڑکی ہے۔ مگر کیا سبب ہے۔ کہ اس کا والد اسے اپنے پاس نہیں رکھتا۔ ایسی بھولی بھالی عقلمند لڑکی جس پر غیروں کو محبت آئے یہ باپ اس کی پرواہ نہ کرے۔ یہ تو بہت سنگدلی کی بات ہے"
شفقت آرا۔ (کچھ سوچتے ہوئے) "نہیں سبب تو کوئی نہیں۔ پر اس میں ایک راز ہے"
خدیجہ "وہ کیا راز ہے۔ اگر ہرج نہ ہو۔ تو مجھے اس راز سے آگاہی بخشیں"
شفقت آرا۔ "اصل یہ ہے۔ کہ حسنیٰ میری نند کی لڑکی نہیں ہے"
خدیجہ کا دل اس بات سے اچھل پڑا۔ اور اس کے دل میں ایک موہوم سی امید پیدا ہو گئی۔ اس نے کہا۔
"حسنیٰ جب آپ کی نند کی لڑکی نہیں۔ تو یہ کس کی لڑکی ہے اگر آپ کو کچھ معلوم ہو۔ تو اس سے مجھے آگاہی بخشیں۔ کیونکہ

میرے دل میں بھی ایک راز ہے۔ جو میں حسنی کی کیفیت معلوم ہونے پر بتاؤنگی"

شفقت آرا، خدیجہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اور اس کے اصرار سے حیران رہگئی۔ اچانک اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ حسنی خدیجہ کی کوئی عزیزہ نہ ہو۔ اور اس نے یوں کہنا شروع کیا۔

"میری نند عالم آرا کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے بہتیرے علاج معالجے کئے۔ تعویذ گنڈے کرائے۔ مزاروں پر منتیں مانیں۔ مگر اولاد جیسی بے بہا نعمت اس کی قسمت میں نہ تھی۔ اس لئے کوئی بات بھی اثر پذیر نہ ہوئی۔ عرصہ آٹھ سال کا گزرا ہے۔ کہ اسے کسی نے بتایا۔ کہ نواح کوہ ڈلہوزی میں ایک بزرگ ولی اللہ ہیں۔ ان کی دعا کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ وہ جس کسی کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ خدائے پاک اس کی مراد جلدی پوری کر دیتا ہے۔ یہ بات سن کر اس کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ میں بھی وہاں جاؤں۔ شاید ان کی دعا سے خدا مجھ پر مہربانی کرے"

اس نے خاوند کو مجبور کیا۔ کہ مجھے وہاں لے کر چلو۔ آخر بہت کچھ رد و کد کے بعد میرے نندوئی نے بیوی کی بات مانی۔ اور عازم ڈلہوزی ہوئے۔

جب وہ پٹھان کوٹ پہنچے۔ تو رات ہو گئی۔ اور وہ مجبوراً زمین کے ایک سرائے میں ٹھیرے۔ جب صبح اٹھے۔ تو سرائے میں نہایت شور و غل سنا۔ میرے نندوئی نے اپنے نوکر کو

دریافت حال کے لئے بھیجا۔ کہ یہ تنور کیسا ہے۔ تھوڑی دیر بعد نوکر واپس آیا۔ اور اس کے پیچھے سرائے کا مالک بمعہ ایک انبوہ کثیر کے تھا۔ میرے نندوئی نواب ضمیر الملک نوکر کے پیچھے ایک انبوہ کثیر دیکھ کر متعجب ہوئے۔ نوکر نے آکر عرض کیا۔ کہ سرائے کی مالک کی بیوی صبح اندھیرے اٹھ کر رفع حاجت کو گئی۔ جب واپس آئی۔ تو پلنگ پر ایک لڑکی کوئی دو برس کی عمر کی سوئی ہوئی دیکھی۔ وہ حیران رہ گئی۔ کہ یہ لڑکی کہاں سے آگئی۔ اس نے اپنے خاوند کو جگایا۔ اور کہا۔ دیکھو۔ یہ لڑکی میرے پلنگ پر کہاں سے آگئی۔ دریافت کرو۔ کسی مسافر کی تو لڑکی نہیں۔ میرے پلنگ پر اسے کس نے لٹا دیا مالک سرائے نے سب مسافروں سے جاکر دریافت کیا۔ لیکن کوئی حامی نہیں بھرتا۔ کہ لڑکی ہماری ہے۔ مالک سرائے نے چوکیدار سے دریافت کیا۔ کہ دروازہ سرائے کا کس وقت کھلا تھا۔ اور اندر کون آیا تھا۔ اور باہر کون گیا تھا۔ اس نے کہا۔ کہ صبح پو پھٹی چار آدمی باہر گئے تھے۔ اور اس کے بعد ایک مسافر سر پر ایک گٹھڑی دھرے اندر آیا۔ جو تھوڑی دیر بعد واپس گیا۔ مگر تھا خالی۔ میں نے کہا۔ بھائی ابھی تم آئے ہو۔ اور ابھی واپس چلے۔ اس نے کہا۔ میرا مالک کچھ فاصلے پر ٹھہرا ہوا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا تھا۔ کہ جاکر کوئی سرائے تلاش کرو۔ سو میں اب سرائے تلاش کرکے انہیں لینے جاتا ہوں۔ مالک سرائے سمجھا۔ کہ شاید یہ لڑکی اس مسافر کی ہے۔ مالک سرائے نے گھنٹہ بھر اس کا انتظار کیا۔ مگر وہ مسافر نہ آیا۔ اور زیادہ وقت گزرنے پر لڑکی نے

Taj Tahir Foundation

رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ مالک سرائے اور اس کی بیوی لڑکی کے بہلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پر لڑکی کسی صورت سے چپ نہیں ہوتی۔ اس سبب سے شور مچا ہوا ہے۔ نواب ضمیر الملک نے کہا۔ لڑکی کو میرے پاس لاؤ۔ دیکھوں۔ ہندو ہے۔ یا مسلمان اتنے میں مالک سرائے آن پہنچا۔ اس کی گود میں لڑکی تھی۔ میرے نندوئی نے لڑکی کو دیکھا۔ تو لڑکی بڑی خوبصورت اور بھولی بھالی شکل کی تھی۔ اس کے ریشمی کپڑے کی تراش گواہی دے رہی تھی کہ وہ مسلمان بچی ہے۔ نواب صاحب نے سمجھا۔ کہ کسی امیر گھرانے کی لڑکی ہے۔ کسی چور اُٹھائی گیرے نے زیور کے لالچ سے لڑکی چرائی۔ مگر بھولی صورت دیکھ کر رحم آگیا۔ اور زیور اتار کر لڑکی کو ہمانے سے یہاں چھوڑ گیا ہے۔ انہوں نے لڑکی کو گود میں لیا اور وہ چپ ہو گئی۔ میرے نندوئی لڑکی کو لے کر بیوی کے پاس پہنچے۔ اور ان سے سب حال کہہ سنایا۔ میری نند نے لڑکی کو شوہر کی گود سے لیا۔ تو وہ اچھل کر اس کی گود میں آگئی۔ اور اماں اماں کہنے لگی۔ میری نند عالم آرا کو لڑکی پر بڑا ترس آیا۔ اس نے لڑکی کو کلیجے سے لگا لیا۔ اور کہا۔ نواب صاحب اس لڑکی کا والی وارث کوئی نہیں ہے۔ تو لڑکی آپ لے لیں۔ ہم اسے بیٹی بنائینگے۔ شاید خدا نے ہمارے لئے یہ لڑکی غیب سے بھیجی ہو۔ نواب صاحب رجو لڑکی کی بھولی بھالی صورت زلیخہ ہو چکے تھے) نے مالک سرائے سے کہا۔ کہ اگر یہ لڑکی لاوارث ہے۔ تو اسے ہمارے پاس رہنے دو۔ آج اس کا وارث

آجائے۔ تو اسے بیشک لے جائے۔ ورنہ ہم اسے اپنی بیٹی بنائینگے میرے نندوئی نے آٹھ دن تک سرائے میں توقف کیا۔ کہ شاید لڑکی کا کوئی وارث پیدا ہو جائے۔ لیکن لڑکی کا کوئی بھی وارث نہ آیا۔ تب وہ لڑکی کو لے کر واپس ہوئے۔ اور آگے جانا انہوں نے ملتوی کر دیا۔ اس خیال سے کہ خدا نے انہیں راستے میں ہی اولاد دیدی ہے۔ اب آگے کیا جائیں۔ میری نند خدا اسے غریق رحمت کرے۔ اس نے لڑکی کو بہت اچھی طرح پالا۔ اور چھوٹی سی عمر میں سب باتوں میں طاق کر دیا۔ ایک سال ہوا ہے۔ میرے نندوئی نے گھر کی مغلانی کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ اور میری نند سے الگ گھر بسایا۔ میری نند اس غم میں گھل گھل کر چھ مہینے کے اندر ہی انتقال کر گئی۔ اور مرتے وقت اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیکر کہا۔ کہ میری پیاری حسنی کو میری جگہ سمجھنا۔ چونکہ نواب صاحب اس کے باپ نہ تھے۔ اس لیے اسے اس وقت تک چاہتے رہے۔ جب تک کہ بیوی سے رفاقت رکھتے رہے جب میری نند سے مفارقت اختیار کی تو اسے بھی بھول گئے۔ اب یہ چھ مہینے سے میرے پاس ہے۔ میرے بھی ماشاءاللہ پانچ لڑکے ہیں۔ لڑکی کوئی نہیں تھی۔ یہ مجھے بیٹی سے بڑھکر ہی میں نے عالم آرا کی زندگی میں ہی اس کا نام اپنے بڑے بیٹے اسفندیار سے منسوب کیا تھا۔ اب اس کے بعد جوان ہونے پر اس کی شادی بیٹے سے کروں گی۔ اور ہمیشہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھوں گی“۔

خدیجہ نے یہ قصہ شفقت آرا سے نہایت بیتابی کے ساتھ سنا۔ اور خاتمہ پر نہایت بیصبری سے پوچھا۔

"جب وقت حسنیٰ آپ کی نند کے پاس آئی تھی۔ اس وقت اس کے گلے میں ایک تعویذ ریشم میں منڈھا ہوا تو نہ تھا"

شفقت آرا نے کہا۔

ہاں تھا۔ جسے میری نند نے سونے میں منڈھوا دیا تھا۔ جو ابتک اس کے گلے میں ہے"

خدیجہ نے جب یہ سنا۔ تو بے اختیار اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔ اور وہ فرط خوشی سے بیہوش ہو گئی۔

شفقت آرا خدیجہ کی بے ہوشی سے نہایت حیران ہوئی۔ عائشہ بیگم نے جلدی سے خدیجہ بیگم کو سنبھالا۔ اور مختصر طور سے شفقت آرا کو بتایا "عرصہ آٹھ سال ہوا ہے۔ جبکہ خدیجہ کی دو سال کی لڑکی گم گئی تھی۔ جب سے اس نے حسنیٰ کو دیکھا۔ اور اس کی شکل و شباہت اپنی لڑکی کے مانند پائی۔ تو اس کے دل میں یہ خیال اٹھا۔۔۔ کہ شاید یہ حسنیٰ میری لڑکی نہ ہو۔ اب آپ کی باتوں سے اسے حسنیٰ کو اپنی لڑکی ہونے کا پختہ یقین ہو گیا ہے۔ اور وہ تاب خوشی نہ برداشت کر کے غش کھا گئی ہے"

شفقت آرا نے خدیجہ کو جلدی جلدی ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں۔ اور حسنیٰ کو بھی اس کے کمرے سے بلوا لیا۔ خدیجہ کو ہوش آیا۔ تو اس کی نظر حسنیٰ پر پڑی۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر گلے سے لگا لیا۔ اور اس کے رخساروں اور پیشانی پر ان گنت بوسے دیئے۔ حسنیٰ حیران رہی۔ کہ

ڈاکٹر صاحبہ کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ وہ مجھ سے چمٹ گئی ہیں۔ وہ اس سے اپنے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ شفقت آرا نے کہا حسنیٰ یہ تمہاری والدہ ہیں۔ حسنیٰ والدہ کا نام سنکر متعجب ہوئی۔ کہ کہا۔ کہ میری والدہ تو فوت ہو چکیں ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ اور میری والدہ۔ اس کے کیا معنے۔

شفقت آرا "حسنیٰ صبر کرو۔ ابھی تمہیں اس کا سبب معلوم ہو جائیگا"

عائشہ بیگم نے خدیجہ کا یہ جوش مسرت دیکھا۔ تو اسے خیال ہوا۔ کہ کہیں وفور خوشی سے اس کے دماغ میں خلل ہی نہ آجائے۔ اس لئے اس نے اسے حسنیٰ سے علیحدہ کیا۔ اور کہا۔

"کوئی نشانی بھی تو بتلاؤ۔ جس سے ثابت ہو۔ کہ حسنیٰ تمہاری بیٹی ہے۔ ورنہ کیا معلوم ہو سکتا ہے"

وہ اس بات سے چپ ہو گئی۔ اور کچھ سوچکر بولی۔

"ہاں نشانی ہے۔ حسنیٰ گلے میں جو تعویذ پہنے ہوئے ہے۔ اس کے اندر ایک پرچے پر اس کے والد کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔ اس کا نام اور میرا نام اور ان کا نام ہے۔ تعویذ کھول کر دیکھ لیجئے۔ اگر آپکو میری بات کا یقین نہیں"

شفقت آرا نے جلدی سے حسنیٰ سے تعویذ لیا۔ اور اس کا سونا اکھیڑ کر ریشم کو اس پر سے علیحدہ کیا۔ تو حسب بیان خدیجہ کے اس میں سے ایک پرچہ کاغذ نکلا۔ جس پر نہایت خوش خطی سے اس طرح تینوں نام لکھے ہوئے تھے۔

فرخندہ بیگم

خدیجہ بیگم نواب امیر الملک

اب شفقت آرا۔ اور عائشہ بیگم۔ و بیگم نواب آصف جنگ تینوں کو پورا لیقین ہوگیا۔ کہ حسنی خدیجہ کی بیٹی فرخندہ ہے۔ انہوں نے لڑکی کے گم جانے کی کیفیت پوچھی۔ خدیجہ کو اپنی داستان غم سنانی پڑی۔ جب ختم ہوئی۔ تو حسنی نے سمجھ لیا۔ کہ میرے حالات کس قدر اخفا کے پردے میں تھے۔ جنہیں میں والدین سمجھتی تھی وہ غیر نکلے۔ اور جنہیں غیر جانتی تھی۔ وہ میری ماں تھی۔ اس نے ماں کے سینے سے لگ کر خوشی کے آنسو بہائی۔

خدیجہ نے شفقت آرا سے کہا۔ اب آپ میرے ساتھ اپنی حسنی کو بھی رخصت کریں۔ میں آپ کا شکریہ نہیں ادا کر سکتی۔ کہ جس شفقت و الفت سے آپ نے حسنیٰ کو رکھا۔ خدا سے دعا کرتی ہوں۔ کہ وہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

شفقت آرا۔ "مجھے حسنی کو رخصت کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ پر یہ بات آپ کو ماننی پڑے گی۔ کہ جس طرح عالم آرا نے اسے اسفندیار سے منسوب کیا تھا۔ اسطرح آپ بھی اسے اسفندیار کی منسوبہ سمجھیں۔"

خدیجہ۔ "جو کچھ آپ نے کہا ہے۔ اس میں مجھے کوئی عذر نہیں۔ میں بھی آپ کی خادمہ ہوں۔ اور یہ بھی آپ کی لونڈی ہے جس طرح آپ راضی۔ اسی طرح میں بھی راضی ہوں۔"

جب نواب صاحب کو سب باتوں کی خبر لگی۔ تو وہ خدا کی قدرت پر متعجب ہوئے۔ کہ احکم الحاکمین نے کس طرح ماں بیٹی کو ملایا۔ وہ اس بات سے خوش ہوئے۔ کہ حسنی جو اب فرخندہ تھی۔ اس کی ماں اسے مل گئی ہے۔

شفقت آرا نے خدیجہ بیگم اور عائشہ بیگم کو آٹھ دن اپنے ہاں مہمان رکھا۔ اور بہن بھائی بنا کر خدیجہ کو بمعہ عائشہ بیگم اور فرخندہ بیگم کے قیمتی ریشمی جوڑے دے کر رخصت کیا۔ خدیجہ بیٹی کو لیکر گھر آئی۔ اور اسے اسقدر خوشی ہوئی۔ کہ جسکا لطف وہ تمام عمر نہ بھول سکی۔

سترہواں باب

امید کے گل کھلے ہوئے ہیں ہر سو
ہر سمت ہے شور شادمانی دیکھو

دوپہر کا وقت تھا۔ دوپہر بھی سردیوں کی۔ وہ دوپہر جو کہ انسان کے لئے بسا اوقات غنیمت ہوتی ہے۔ غریب سے لیکر امیر تک دھوپ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ خدیجہ اپنے بنگلے کے پائیں باغ میں بیٹھی تھی۔ پاس ایک بنچ پر فرخندہ بیٹھی کتاب دیکھ رہی تھی۔ کیاریوں میں رنگ برنگی پھول کھل رہے تھے۔ مرغان خوشنوا۔ میٹھے میٹھے سروں میں راگنیاں الاپ رہے تھے۔ معطر ہوا کے سرد جھونکے دلوں میں حقیقی نشاط پیدا کئے دیتے تھے۔ خدیجہ نے اپنے گرد وپیش نگاہ ڈالی۔ اور فرخندہ کی طرف دیکھا۔ تو اس کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ وہ خدا کا شکر بجالائی۔ کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے اس کی امید کی کیاری ہری کی۔ وہ بیٹھی خوشی سے وقت گذار رہی تھی۔ کہ بیگم مظفرالدولہ کی لہری آئی۔ اور ان کے آنے کی اطلاع دی۔ خدیجہ اور فرخندہ بیگم دونوں ماں بیٹی بیگم کی آمد سنکر نہایت خوش ہوئیں۔

جلدی سے اٹھ کر بیگم کے استقبال کو برآمدے میں آئیں۔ پردہ کرایا گیا۔ شفقت آرا بیگم فٹن سے اتری۔ تو دونوں ماں بیٹی کو استقبال کے لئے موجود پایا۔ نہایت خندہ پیشانی سے ملی۔ خدیجہ انہیں ملاقات کے کمرے میں لائی۔ اور ایک مخمل کے بنچ پر بٹھایا۔ کمرہ بالکل یورپین طرز کا سجا ہوا تھا۔ سامان گو بہت اعلیٰ نہیں تھا۔ مگر جو تھا۔ خدیجہ کی سلیقہ شعاری اور صفائی سے عمدہ معلوم دے رہا تھا۔ شفقت آرا۔ خدیجہ کا کمرہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ عائشہ بیگم بھی مدرسے سے آگئی۔ ادھر ادھر کی گفت گو کے بعد فرخندہ بیگم چائے تیار کروانے کو باورچی خانہ میں چلی گئی۔ تو شفقت آرا نے کہا۔

"بہن خدیجہ بیگم۔ میں تو ایک خاص بات کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ اور دل میں امید کرتی ہوں۔ کہ آپ اس بات کو قبول کر کے مجھے شاد کریں گی۔

خدیجہ:- "ہش۔ صاحب۔ فرمایئے۔ کیا بات ہے۔ مجھے آپ کے حکم میں کچھ انحراف نہیں۔ آپ جو کچھ کہیں گی۔ میں بڑی خوشی سے سنوں گی۔"

شفقت آرا "بات یہ ہے۔ کہ میری خواہش یہ ہے کہ فرخندہ اب باقاعدہ طور پر میری بیٹی ہو جائے۔"

خدیجہ:- "اس بات میں لمبی چوڑی تمہید کی کیا ضرورت تھی۔ فرخندہ تو آگے بھی آپ کی بیٹی تھی۔ اب وہ آپ کی لڑکی ہے۔"

شفقت آرا "آپ میرا مطلب نہیں سمجھیں۔ میرا یہ مطلب ہے۔ اب فرخندہ اور اسفندیار کی منگنی کی رسم ادا کر دی جائے۔"

خدیجہ:- "مجھے اس میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن آپ کس طرح منگنی

Taj Tahir Foundation

کی رسم ادا کرنا چاہتی ہیں۔ میں آپ کے مقابلے میں ایک غریب عورت ہوں۔"

شفقت آرا: "امیری غریبی کی اس میں کوئی بات نہیں۔ ماشاءاللہ آپ ہم سے کسی بات میں کم نہیں ہیں۔ رہی منگنی کی رسم۔ سو جیسی ہماری تمہارے بزرگوں کا دستور چلا آتا ہے۔ ویسے میں بھی یہ مبارک رسم ادا کرنی چاہتی ہوں۔"

خدیجہ: "بیشک۔ ہمیں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر ہی چلنا چاہیئے۔ مگر ہمارے بیاہ اور منگنی پر بہت سی رسمیں ہیں۔ جو سراسر فضولیات سے پر ہیں اور ان سے دین و دنیا کی تباہی ہے۔ اس لئے میں ایسی رسمیں ترک کرنی چاہتی ہوں۔ تاکہ یہ فضول رسمیں ہماری قوم سے نیست و نابود ہو جائیں۔"

شفقت آرا: "اچھا اگر آپ کی یہی خواہش ہے۔ تو مجھے اس میں کچھ عذر نہیں۔ کیونکہ نواب صاحب بھی ایسی رسمیں پسند نہیں کرتے۔"

آخر بہت کچھ بحث مباحثہ کے بعد قرار پایا۔ کہ اتوار کی شام کو منگنی کی رسم بغیر کسی دھوم دھام کے ادا ہو جائے۔

شام کے کھانے کے بعد شفقت آرا بیگم رخصت ہونے لگی۔ تو اس نے ایک بنڈل نوٹوں کا اور ایک لفافہ کاغذوں سے بھرا ہوا خدیجہ بیگم کو دے کر کہا۔ کہ یہ فرخندہ کی جائداد کے کاغذ ہیں، اور یہ اس کی آمدنی ہے۔ میری نندمرحومہ نے اپنی خاص جائداد جو انہیں میکے کی میراث سے ملی تھی۔ اور جو ان کے نام حق مہر میں ان کے خاوند نے کی تھی۔ وہ سب جائداد انہوں نے مرنے سے چند دن پہلے فرخندہ کے نام کر دی

تھی۔ جس کی مجموعی آمدنی پانچ سو روپیہ ماہوار ہے۔ یہ تین ہزار کے نوٹ پچھلی ششماہی کی آمدنی کے ہیں"۔

خدیجہ کا دل مرحومہ کی اس الفت و مہربانی سے نہایت محظوظ ہوئی! اور اس نے کہا۔

"میری عزیز بہن۔ میں آپ کا اور آپ کی نند مرحومہ کا شکریہ ادا نہیں کرسکتی۔ کہ جسقدر عنایت اور مہربانی آپ دونوں نے میری فرخندہ کے ساتھ برتی ہے۔ خدا آپ کو اجر دے۔ اور رحمتہ اللعالمین مرحومہ کو جنت برین میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ اور آپ کو دنیا میں پھلنا پھولنا نصیب ہو۔ میری مہربان بہن یہ روپیہ اور کاغذات آپ اپنے پاس ہی رہنے دیں۔ جب خیر سے فرخندہ بیگم اپنے گھر جائیگی۔ تو آپ اس کے اور اس کے شوہر کے حوالے کردیں۔ مجھے اس سے معاف ہی رکھیں۔ خدا کا دیا۔ میرے پاس فرخندہ کے کار خیر کے لئے بقدر ضرورت کافی ہے"۔

شفقت آرا نے بتیری کوشش کی۔ کہ خدیجہ کاغذات اور روپیہ لے۔ لیکن خدیجہ نے نہ لیا۔ اور وہ خوشی خوشی اپنے محل کو سدہاری۔

اتوار کی سہ پہر کو خدیجہ نے اپنے میل ملاقات کی عورتوں کو بلا بھیجا۔ بنگلہ میں ساٹھ ستر بیبیوں کے نشست کے لئے کافی جگہ تھی۔ اس کا بنگلہ ہر وقت دلہن کی طرح سجا سجایا رہتا تھا۔ صفائی سے ہر چیز ستھری تھی۔ اس لئے مزید صفائی کی حاجت تو نہ تھی۔ مگر اس نے احتیاط کی وجہ سے دوبارہ سب کمروں کی صفائی کرائی۔ تمام فرنیچر

جھاڑ پونچھکر قرینہ سے لگوایا۔ تازے گلدستے منگوا کر جابجا رکھے۔ وقت مقررہ پر مہمانوں کے آمد شروع ہوئی۔ پندرہ کے قریب خدیجہ کی اپنی ملاقاتی عورتیں تھیں۔ پانچ سات فرخندہ بیگم کی سہیلیاں آئیں فرخندہ کو پیازی ریشمی جوڑا پہنایا گیا۔ اس کی نشست مع اس کی سہیلیوں کے اس کے کمرے میں تھی۔ پانچ بجے تو سمدھنیں تشریف لائیں۔ بیس کے قریب عورتیں تھیں۔ نہ تو باجا گاجا۔ نہ کوئی سامان ہمراہ تھا۔ خدیجہ بیگم نے بمعہ عائشہ بیگم اور اپنی عزیز دوست مسٹر صفدر اور مسز حسن کے برآمدے میں ان کا استقبال کیا۔ ان کے سروں پر سے پھول نچھاور کئے۔ جس سے برآمدہ تختہ گلزار بن گیا۔ سمدھنیں بنگلے کے ہال میں بٹھائی گئیں۔ مزاج پرسی کے بعد چائے بسکٹ۔ کیک مٹھائی سے ان کی تواضع کی گئی۔ بعد ازاں پان الائچی۔ عطر پھول پیش ہوئے۔ جب ان باتوں سے فراغت ہوئی۔ تو دلہا کی ماموں زاد بہن دلہن کو لینے اس کے کمرے میں گئیں۔ فرخندہ بیگم سہیلیوں کے جھرمٹ میں سمٹی سمٹائی شرم سے گردن جھکائے محفل میں آئی۔ عائشہ بیگم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے شفقت آرا کے آگے لے جا بٹھایا۔ اور کہا میری معزز بہن یہ آپ کی خادمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔

شفقت آرا نے خوش ہو کر اسے گلے لگا لیا۔ اور اس کی پیشانی چوم کر کہا۔

"میری عزیز بہن یہ تو میرے کلیجے کا ٹکڑا۔ اور آنکھ کا تارا ہے۔ خدا اسے صاحب نصیب کرے"۔

خدیجہ "آمین"

Taj Tahir Foundation

شفقت آرا نے بہو کے گلے میں ایک خوشنما جڑاؤ ہار پہنایا۔ اور ہاتھوں میں مرصع کڑے۔ اور زمرد کی انگھوٹھی پہنائی۔ پچاس روپے بہو پر سے نچھاور کئے۔ فرخندہ شکل وصورت میں لاثانی تھی۔ اس کا سفید و سرخ چہرہ اور اس پر نقش ونگار کی موزونیت سے حور کا بچہ معلوم دیتی تھی۔ اور اس پر پیازی ریشمی جوڑے سے ایسی سجی ہوئی تھی۔ کہ سمدھنیں سبحان اللہ پکار اٹھیں۔ شفقت آرا نے نہ تو خود بہو کو سلامی دی۔ اور نہ اور کسی کو دینے دی۔ اس نے یہ کہہ کر سب کو منالیا۔ کہ بھئی خدیجہ بیگم ایسی رسمیں پسند نہیں کرتی۔

فرخندہ جس طرح سہیلیوں کے جھرمٹ میں آئی تھی۔ اسی طرح واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔ محفل میں ڈومنیاں وغیرہ کچھ بھی نہ تھیں عائشہ بیگم نے گراموفون سے سمدھنوں کو محظوظ کیا۔ بعد ازاں شفقت آرا کے اصرار پر اس نے ہارمونیم بجایا۔ اور اپنی سریلی آواز سے دو چار غزلیں سنائیں۔ پھر باری باری سے مسز حسن اور مسز صفدر نے ہارمونیم کے ساتھ گایا۔

شام ہوتے ہی سمدھنوں کے سامنے کھانا اترا۔ دعوت نہایت پر تکلف تھی۔ اور ہر ایک کھانا عمدہ اور نفیس تھا۔ جس سے شفقت آرا بہت خوش ہوئی۔

رخصت کے وقت شفقت آرا کو خدیجہ بیگم نے یہ سامان دیا۔ دلہا کے لئے ریشمی قیمتی خوبصورت رومال اور ہیرے کی انگھوٹھی۔ اور پانچسو روپیہ نقد۔ شفقت آرا نے کہا۔

"بہن یہ روپیہ کیسا ہے۔ جب کہ میں کوئی سامان نہیں لائی

Taj Tahir Foundation

اس لئے کہ فضول رسمیں ترک ہوں۔ تو تم یہ روپیہ کیوں دے رہی ہو؟"

خدیجہ "بے شک۔ آپ سامان وغیرہ کچھ نہیں لائیں۔ تو آپ نے قابل تعریف کام کیا ہے۔ لیکن میں بھی تو کوئی سامان نہیں دے رہی۔ یہ تو صرف دولہا کے کپڑوں کی نقدی ہے۔ جو کہ مجھے دینی واجب تھی۔ خدانخواستہ میں آپ لوگوں کو خالی کیوں جانے دیتی۔ میں کسی قابل نہیں۔ امید کرتی ہوں۔ کہ آپ اس ناچیز رقم کو قبول فرمائیں گی۔"

شفقت آرا "ماشاء اللہ۔ آپ قابل کیوں نہیں۔ اس وقت تو آپ نے امیروں کو بھی مات کیا۔ میں بڑی خوشی سے یہ رقم قبول کرتی ہوں۔"

سمدھنیں رخصت ہوئیں۔ اور سب مہمان۔ بی بیاں بھی چلی گئیں۔ خدیجہ نہایت خوش تھی۔ اور بار بار خدا کا شکر کرتی تھی۔ کہ اس نے اپنے فضل سے مجھے یہ مبارک دن دکھایا۔

اٹھارہواں باب

قدسیہ بیگم کی شادی

اور خدیجہ کی تقریر

Taj Tahir Foundation

جنت گوش و نظر نہی اسکی بزم مختصر
لطف جاں حاصل ہو وہ ساز و سامان دیکھکر
ہو سخن کو ناز جتنا اپنی خوبی پر بجا
وہ سخن فہم و سخن سنج و سخنداں دیکھکر

دن کے گیارہ بجے تھے۔ خدیجہ بیگم ہسپتال کے کام سے فارغ ہوکر گھر آئی۔ ضروریات سے فارغ ہوکر کھانا کھایا۔ تو فرخندہ نے صبح کی آئی ہوئی ڈاک کے خطوط دیئے۔ اس نے سب لفافوں پر سرسری طور سے نگاہ ڈالی۔ تو اسے نواب زمانی بیگم کے ہاتھ کا لکھا ہوا لفافہ نظر پڑا۔ سب سے پہلے اس نے وہی خط اٹھایا۔ اور لفافہ چاک کر کے اندر سے خط نکالا۔ اور اسے کھولا۔ تو یہ مضمون اسکی نظر پڑا۔

از نواب ہیلیس بھوپال
عزیزہ ڈاکٹر خدیجہ بیگم سلمہا

بعد دعا کے معلوم ہو کہ تمہاری بہن قدسیہ بیگم کی شادی کتخدائی کی تاریخ ۲۵ نومبر کو مقرر ہوئی ہے۔ لہذا ملتمس ہوں۔ کہ تم بمعہ برخورداری فرخندہ بیگم و بہن عائشہ بیگم کے ایک ہفتہ کی رخصت لے کر دس نومبر سے پہلے پہلے یہاں پہنچ جاؤ۔ تاکہ مجھے تیاری سامان میں مدد دے سکو۔ ہم امید کرتے ہیں۔ کہ تم سب غریب خانے پر تشریف لاکر ہمیں مسرور کروگی۔ تمہاری بہن تمہاری آمد کی منتظر ہے۔ تمہارے قدسیہ والے خط سے نورچشمی فرخندہ بیگم کی شمنی کی خبر پاکر بہت خوشی ہوئی۔ ہماری طرف سے تمہیں مبارکباد پہنچے۔ دعا کرتی ہوں۔ کہ خدائے قیوم یہ نسبت جانبین کے لئے مبارک کرے۔ آمین۔ ثم آمین۔

اب مکرر تاکید کرتی ہوں۔ کہ دس نومبر تک ضرور آؤ۔ اور یہاں پہنچ جاؤ۔ باقی خیریت ہے۔ عزیزہ فرخندہ بیگم کو پیار بہن عائشہ بیگم صاحبہ کو سلام پیار۔ زیادہ والدعا۔

تمہاری آمد کی منتظر: میں ہوں زمانی بیگم۔ یکم نومبر

خدیجہ کو قدسیہ بیگم کی شادی کی خبر سے نہایت خوشی ہوئی۔ اس نے عائشہ بیگم کو خط دکھایا۔ اس نے کہا۔

"آج مجھے بھی ان کا خط ملا ہے۔ جس میں انہوں نے بہت تاکید لکھی ہے"

خدیجہ نے کہا۔ "ہمیں ضرور ایک مہینے کے واسطے بھوپال جانا چاہئے آج پانچ تاریخ تو ہو گئی ہے اب دس تاریخ میں کون سے دن باقی ہیں۔ میں آج ہی ایک مہینے کی رخصت کے لئے درخواست دیتی ہوں۔ آپ بھی اسکول کا انتظام کسی استانی کے سپرد کر کے فراغت حاصل کر لیں۔ اور ہم ۹ نومبر کی صبح کو بھوپال روانہ ہو جائیں"

غرض کہ خدیجہ نے اسی دن رخصت کے لئے درخواست دیدی جس کا تیسرے دن ہی منظور ہو کر جواب آگیا۔ عائشہ بیگم نے بھی اسکول کا انتظام سیدا ستانی کے سپرد کر کے فراغت حاصل کر لی۔ اور وہ سب ۹ نومبر کو صبح کی گاڑی میں بھوپال روانہ ہو گئیں۔ ریل پر سوار ہونے سے پہلے ایک تار اپنی آمد کا بھوپال روانہ کر دیا تھا۔ اسٹیشن پر نواب صاحب کی فٹن موجود تھی۔ تینوں سوار ہو کر نواب پیلس پہنچیں۔ نواب زمانی و قدسیہ بیگم کو ان سب کی آمد سے نہایت

خوشی ہوئی۔ عائشہ بیگم تو دو تین دفعہ خدیجہ کے ہمراہ بھوپال آچکی تھیں۔ وہ سب سے واقف تھی۔ فرخندہ بیگم کا تعارف خدیجہ نے سب سے کرایا۔
نواب زمانی بیگم نے کہا۔
"خدیجہ بیگم میں تمہیں مبارک باد دیتی ہوں۔ کہ خدا نے تجھے خوب صورت نیک سیرت بیٹی ملا دی۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ خدا نے اب تیرے خوشی کے دن پھیرے ہیں۔"
عائشہ بیگم "بے شک آپ کا خیال درست ہے۔ جس کے پاس فرخندہ بیگم جیسی ہمہ صفت بیٹی ہو۔ میرے خیال میں اس سے بڑھ کر دنیا میں خوش قسمت کوئی نہیں۔"
خدیجہ نے خوش ہو کر سب کا شکریہ ادا کیا۔
دو دن کی تکان کی وجہ سے سب نے آرام کیا۔ تیسرے دن خدیجہ نے کہا۔ لائیے۔ کوئی کام۔ جسے ہم سب انجام دیں۔
نواب زمانی بیگم "اوہو۔ تم سب تو کام کرنے کو یہاں آئی ہو۔ (ہنس کر) میں نے تو دانستہ ایسا لکھا تھا۔ کہ آکر تیاری سامان میں مدد دو۔ اس لئے کہ اس طرح لکھنے سے تم سب یہاں جلد پہنچو گی۔ ورنہ کام تو کوئی نہیں۔ کیونکہ میں نے زیادہ لمبا چوڑا سامان تو تیار کیا نہیں۔ ہم پرانے خیال کے آدمی نہیں۔ کہ مہینے پہلے زیور بننے کو سنار بلواتی اور سینکڑوں گوٹے پٹھے والے جوڑے تیار کرواتے۔ اور ان کے لئے مہینوں درزی اور زرگر بٹھاتے۔ جو کہ ہوتے بھی فضول اور بیکار ہیں۔ جو کبھی کبھار پہننے کے سوا کسی کام نہیں آتے۔ اور نہ دیگر سامان تیار کیا ہے۔ جس کے لئے کسی دوسرے کی مدد

کی ضرورت پڑتی۔ اس لیئے ہم نے ضروری ضروری ڈ رکار آمد سامان تیار کیئے ہیں۔ جو کہ لڑکی کے ہر وقت کام آسکے۔ اور باقی روپیہ نقد رکھا ہے۔ انشاء اللہ لڑکے والے بھی امیر کبیر آدمی ہیں۔ قزلباشی شہزادے ہیں۔ اور ہیں بھی آزاد خیال دولہا شہزادہ واحد الاسلام۔ ایم۔ ایس۔ سی ہے۔ اور انگلینڈ کا تعلیم یافتہ ہے۔ سول سرجن کے عہدے پر ممتاز ہے۔ آجکل ریاست میں کام کرتا ہے۔"

خدیجہ (خوش ہوکر) "یہ تو بہت اچھی جوڑی ہے۔ دولہا بھی ڈاکٹر۔ اور دلہن بھی ڈاکٹر۔ قدسیہ بیگم کی طرف مخاطب ہوکر۔ اور دہنگرا ع

خوب گزرے گی جو مل بیٹھینگے دیوانے دو"

پچیس نومبر قدسیہ بیگم کی شادی کا دن تھا۔ جو بغیر کسی دھوم دھام کے آپہنچا۔ کیونکہ نوابی گھر تھا۔ اس لیئے مہینوں پہلے شادی کی دھوم مچ جاتی۔ ہفتوں پہلے مہمان جمع ہوتے۔ ضیافتیں گرم ہوتیں۔ مگر یہاں کچھ بھی نہ تھا۔ صرف چوبیس نومبر کو باہر سے آنے والے مہمان جمع ہوئے۔ یا قدسیہ کی ہمسن۔ ماموں زاد۔ چچازاد پھوپھی زاد۔ خالہ زاد بہنیں تھی۔

نواب زمانی بیگم نے شادی سے دو دن پہلے تمام محل صاف کرواکر میز کرسیاں۔ تمام آرائشی فرنیچر جھاڑ پونچھ کر صاف کروا لیا۔ فرش چاندنی۔ قالین۔ وغیرہ سب چیزیں اندر سے نئی نکال کر جا بجا موقع بہ موقع بچھوا دیئے۔ سفیدیوں کی حاجت نہ تھی۔ کیونکہ ہمیشہ کا دستور تھا۔ کہ ہر ششماہی کو تمام محل میں سفیدیاں اور روغن ہوتے تھے

اس لیے شادی کے موقع پر اس مفت کی جھنجھٹ سے خلاصی رہی
اور چند گھنٹوں میں محل صاف ہو کر شیشے کی طرح چمک اٹھا۔
پچیس نومبر کو چار بجے شام کے مہمان آنے شروع ہوئے۔
نواب زمانی بیگم محل کے زنانے حصے کے برآمدے میں مہمانوں کے
استقبال میں کھڑی تھیں۔ جو مہمان بی بی آتی۔ وہ انہیں سے مصافحہ کر کے
مزاج پرسی کرتی۔ اور لڑکیاں انہیں محفل میں لیجا کر بٹھاتیں۔ جب سب
مہمان بیگمات جمع ہو گئیں۔ تو پان الائچی سے سب کی تواضع کی گئی
بعد ازاں نواب زمانی بیگم نے کھڑے ہو کر سب کا شکریہ یوں ادا کیا
"میری معزز بہنوں۔ میں صدق دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتی
ہوں۔ آپ نے اپنی تشریف آوری سے غریب خانہ کو رونق بخشی
اور برخوردار قدسیہ بیگم کے کار خیر پر اپنی شمولیت سے مجھے
سرفراز فرمایا۔ میں دوبارہ آپ سب کا شکریہ ادا کر کے آپ کا تعارف
اپنی نہایت عزیزہ ڈاکٹر خدیجہ بیگم دہلوی سے کراتی ہوں۔ جو
کہ اس وقت رسومات پر تقریر کریں گی۔ امید کرتی ہوں۔ کہ آپ
سب ان کی تقریر کو دلی توجہ اور خوشی سے سنیں گی۔
نواب زمانی بیگم بیٹھ گئیں۔ تو ڈاکٹر خدیجہ بیگم اٹھی۔ اور اس نے تقریر
شروع کی۔

معزز بیگمات!

آپ جس تقریب پر سب یہاں جمع ہیں۔ وہ میری پیاری بہن
قدسیہ بیگم کی شادی کتخدائی ہے۔ آپ دیکھ رہی ہیں۔ کہ یہاں
شادی کی رسموں میں سے کوئی بھی رسم وقوع میں نہیں آئی۔

نہ دلہن کو ماؤں بٹھایا گیا۔ نہ مانجھا ہوا۔ نہ ابٹنا ملا۔ نہ ہاتھ سے کنگنا باندھا
نہ زرد کپڑے پہنائے گئے۔ نہ مہندی رچی۔ نہ ساچق آئی۔ نہ بھیموں
پہلے ضیافتیں گرم ہوئیں۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ ہماری میزبان
نواب زمانی بیگم صاحبہ ایک روشن خیال و پابند شرع خاتون ہیں۔
انہوں نے ان رسومات کو مٹا کر آپ لوگوں کے سامنے ایک نظیر پیش
کردی۔ تاکہ ان رسومات سے جو تباہی فرقۂ اسلام پر آرہی ہے۔ اس
سے قوم کو خلاصی حاصل ہو۔ یہ رسومات کسطرح تباہ کن ہیں سنیئے!
امیر سے لیکر غریب آدمی تک جب لڑکے یا لڑکی کی شادی
رچائیگا۔ تو ہر ایک رسم پر دل کھول کر حیثیت سے بڑھکر مصارف
اٹھائیگا۔ بہت ہی کم گھرانے ایسے ہیں۔ جو شادی رچائیں۔ تو
ان کے پاس اتنا روپیہ موجود ہوگا۔ کہ جس سے وہ دل کھول
کر شادی کے مصارف پورا کرتے ہیں۔ ورنہ تمام گھرانوں کی یہ حالت
ہے۔ کہ جہاں بیٹی بیٹے کا بیاہ شروع کیا۔ وہیں مہاجنوں کی
تلاش شروع ہوئی۔ اور قرضہ لے کر اپنے دل کا ارمان پورا کیا۔
جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان کی جائدادیں سود در سود کے ذریعے مہاجنوں
کے ہاں جا پہنچی۔ اور چند دن کی واہ واہ کے بدلے ہمیشہ کی شرمندگی
اور مصیبت کی تباہی مول لے لی۔ اگر ہم یہ رسمیں نہ کریں۔ تو نہ ہماری
جائدادیں بکیں۔ اور نہ ہمیں شرمندگی اٹھانی پڑے۔ اور نہ
ہمپر تباہی آئے۔ اگر شریعت کی عینک سے ان رسومات کو
دیکھا جائے۔ تو ان میں سے بعض رسمیں ایسی ہیں۔ جن سے سراسر
شرک ہویدا ہے۔ اور شرک ایسا سخت گناہ ہے۔ کہ جس سے

Taj Tahir Foundation

آدمی کا ایمان جیسا جوہر غارت ہو جاتا ہے۔ اور وہ آخرت میں عذاب دردناک کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

میری معزز بہنوں! اگر ہمارے پاس روپیہ ہے۔ تو ہمیں چاہئیے کہ ان تقریبوں کے موقع پر اس روپیہ کو یتیموں کی خبر گیری پر بیوہ عورتوں کی دستگیری پر محتاجوں اور بیکسوں کی حاجت روائی پر صرف کریں۔ تاکہ دین اور دنیا میں سرخروئی حاصل ہو۔ اور ہم سچی تعریف کے مستحق ہوں۔

ان سب امور کو نظر رکھ کر نواب زمانی بیگم صاحبہ نے اب رسمیں ترک کر کے جو مصارف ان رسموں پر اٹھانا تھا۔ وہ قومی کاموں کے لئے وقف کر دیا۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

علیگڈھ کالج کو	سو روپیہ ماہوار کی جائداد وقف کی
ندوۃ العلماء کو	پچاس ″ ″ ″ ″
انجمن حمایت اسلام کو	″ ″ ″ ″ ″ ″

انجمن ترقی اردو۔ انجمن ضیاء اسلام۔ انجمن اشاعت الاسلام انجمن رفیق الاسلام۔ انجمن امداد بیوگان۔ کو پچیس پچیس روپے ماہوار کی جائدادیں وقف کیں۔ اور دو سو روپیہ ماہوار کی جائداد اپنے ذاتی محتاج خانے کے نام وقف کر دی۔

اے میری معزز بہنوں! انصاف کی نظر سے دیکھنا۔ کہ رسموں پر مصارف اٹھانا مفید اور کار آمد ہے۔ یا کہ قومی کاموں پر۔ جس سے یتیموں کی پرورش ہو گی۔ بیواؤں کی حاجت روائی ہو گی۔ لیکن جو انصاف پسند ہستیاں ہیں۔ وہ ضرور اس

طریقے کو پسند کر کے اپنے ہاں سے ان فضول رسومات کو ترک کر کے قومی یتیموں۔ بیواؤں۔ بیکسوں۔ محتاجوں کی حاجت روائی پوری کریں گی۔

حاضرین محفل! بعض رسمیں ایسی ہیں۔ جو بغیر کسی مصارف کے ہوتی ہیں۔ مثلاً مایوں بٹھانا۔ یہ رسم بہت ہی فضول ہے۔ کیونکہ مایوں بیٹھی لڑکی بالکل قفس کی اس چڑیا کے مانند ہوتی ہے۔ جس کے قفس پر ظالم صیاد نے پردہ ڈال دیا ہو۔ اور وہ بے بس ہو کر رہ جائے۔ کیونکہ مایوں بیٹھی لڑکی کے زرد رنگ کے میلے کپڑے ہوتے ہیں۔ وہ روشنی سے اور تازی ہوا سے محروم ہوتی ہے۔ شرم کے مارے اس کی کمر دوہری ہوئی جاتی ہے اور پھر وہ لڑکیوں کے جھرمٹ میں ایک تنگ جگہ بیٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ سب باتیں صحت کے حق میں نہایت مضر ہیں۔ اور ان باتوں کی پابندیوں سے کوئی فائدہ متصور نہیں۔ بلکہ بارہا دیکھا گیا ہے۔ کہ یہ پابندیاں لڑکی کو بہت نقصان پہنچاتی ہیں اور مایوں کے دنوں میں ادھ موئی ہو جاتی ہے۔ مستورات کا خیال ہے۔ کہ مایوں بیٹھنے سے لڑکی کے چہرے پر نور آجاتا ہے مگر یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ بجائے نور کے لڑکی کا چہرا مایوں کی تکلیف سے زرد پڑ جاتا ہے۔ اور وہ کمزور ہو کر بہت دنوں کے لئے بیمار ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس موقع پر لڑکی کو سرخرو ہونا چاہیئے۔ اور اس کی صحت کا خیال سب باتوں پر مقدم رکھنا چاہیئے۔ اس لئے کہ لڑکی ایک نئی جگہ جا رہی ہے۔ سوائے معزز

Taj Tahir Foundation

بیگمات یہ رسم لڑکیوں کے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔ اس لئے آپ کو اپنی نور چشمیوں پر رحم کر کے اس رسم بد کو مٹا دینا چاہئے مبارک ہے۔ محترمہ نواب زمانی بیگم صاحبہ کی زندگی جنہوں نے اس رسم کے مٹانے میں سب سے پہلے پیش قدمی کی۔ اور بہن قدسیہ بیگم کو اس تکلیف سے بچا لیا۔

معزز بیگمات! آپ کا خیال ہوگا۔ کہ جہاں نواب زمانی بیگم نے سب رسمیں مٹا دیں۔ وہاں انہیں لڑکی کے جہیز میں بھی کمی نہ کی ہو۔ اس لئے۔ کہ انہوں نے نہ مہینوں پہلے کپڑے تیار کرنے کو درزی بٹھلائے۔ اور نہ زیور بنانے کو زرگر۔ اور نہ دیگر سامان کے لئے انہیں کسی نے تیاری کرتے دیکھا۔ سو یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ نواب زمانی بیگم صاحبہ کے دماغ کو خدا نے عقل کی نورانی روشنی سے پوری طرح منور کر دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے جہیز میں بھی جو بات بے فائدہ پائی۔ اسے ترک کر دیا۔ مثلاً بھاری بھاری مصالحہ گوٹے کے کشیدار جوڑے جن کے لئے مہینوں درزیوں کے ناز اٹھانے پڑتے ہیں۔ اور وہ لڑکی کے پہننے میں شاذ و نادر ہی آتے ہیں۔ اور سوائے صندوق کی زینت کے اور کسی کام کے نہیں ہوتے۔ اس لئے انہوں نے وہی نفیس اور خوشنما لباس بنوائے ہیں۔ جو لڑکی کے ہر وقت اور ہر موقع پر کام آسکیں۔ یہی حال زیور اور دیگر سامان کا ہے۔ اس لئے انہوں نے جو چیز بنوائی ہے۔ خوبصورت اور نفیس بلکہ خوشنما اور کار آمد۔ جس کی تفصیل میں آپ کے روبرو

پیش کرتی ہوں۔ امید ہے۔ کہ آپ سب بیگمات ہی پسند کرکے
نواب زمانی بیگم صاحبہ کی عقل کی داد دینگی۔"

ہلکے سلمہ ستارہ گوٹے ٹھپے۔ کامدانی اور کلابتوں کے لباس	۲ درجن
ریشمی سادے خوشنما اور فیشنیبل لباس	" "
شب خوابی کے لباس	۱ "
زیور کانوں کے ہلکے اور قیمتی خوشنما	½ "
" گلے " " " " "	" "
" ہاتھوں کے " " "	" "
ایک کوٹھی معہ سب سامان ضروریات زندگی	ایک لاکھ نقد روپیہ

اب میں اس دعا پر اپنی یہ تقریر ختم کرتی ہوں۔ کہ اے خدائے بزرگ تو اپنی رحمت کاملہ سے ہماری پیاری قدسیہ بیگم کو نئی دنیا مبارک کر اور حوادثات زمانہ سے محفوظ رکھ کر اسے دنیا میں پھلنا پھولنا نصیب کر۔ اور والدین کو ان کی ہزاروں خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں"

سب بیگمات "آمین۔ آمین"

انیسواں باب

قدسیہ بیگم کی رخصت

کر عطا عمر خضر قدسیہ کو یا اللہ
اس دعا کو دل عالم سے نکلتے دیکھا

شام کے چھ بجے کی گاڑی میں بمبئی سے برات آئی تھی۔ نواب صاحب کے چھوٹے بھائی بہنوئی۔ سالے۔ اور بھتیجے۔ بھانجے۔ فٹنیں موٹریں لیکر برات کے استقبال کو اسٹیشن پر گئے۔ ٹھیک چھ بجے گاڑی پلیٹ فارم پر داخل ہوئی۔ وہاں دلہن سلامی کے گیارہ گولے جرات کی آمد پر سر کئے گئے۔ برات ریل سے اتری تو دلہن والوں کو استقبال کے لئے کھڑے ہوئے پایا۔ بینڈ باجے نے خوش آمدید کا نغمہ سنایا۔ جانبین سے مصافحہ کی رسم ادا ہوئی۔ دولہا دبراتیوں کے گلے میں معطر پھولوں کے ہار دخوشنما گورے کے ہار پہنائے گئے۔ بعد ازاں براتیوں کو موٹروں میں سوار کرایا۔ ایک فٹن پر دولہا مع دو عزیز دوستوں کے سوار ہوا۔ اس وقت دولہا نہ تو پرانی طرز کا رنگین ریشمین لباس پہنے سہرا باندھے گھوڑے پر سوار تھا۔ انگریزی فیشن کا جنٹلمین نہ تھا۔ اس کا لباس بالکل سادہ تھا۔ سفید علیگڈھ فیشن کا پاجامہ۔ سیاہ گرگابی۔ موتیا رنگ کے سلک کا فراک کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ سر پر ہلکے رنگ کی پیازی مندیل تھی۔ جس پر ایک خوب صورت کلغی لگی ہوئی تھی۔ جس سے اس کا دولہا ہونا معلوم دے رہا تھا۔ برات کے آگے فٹنوں پر بینڈ باجے تھا۔ کاغذوں کے خوبصورت دخوشنما پھولوں سے ہر ایک فٹن دموٹر سجی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ یہ جلوس نواب پیلس کو روانہ ہوا۔

نواب پیلس کا دروازہ سبز مندیالیوں کی سبز منڈی سے پھولوں پتوں سے دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ برات موٹروں سے اتر کر نواب

پیکس میں داخل ہوئی۔ پھاٹک سے برآمدے تک سرخ کپڑے کا فرش بچھا ہوا تھا۔ برآمدے کے آگے نواب صاحب معہ بڑے بھائی۔ بہنوئی ہز لف و دیگر اراکین کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ برات سرخ فرش سے گزر کر برآمدے کے نزدیک پہنچی۔ طرفین سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھے۔ السلام علیکم کا اسلامی فرض ادا ہوا۔ دولہانے سر کو خم کر کے سب کو تسلیمات ادا کی۔ پھولوں کی لڑیاں۔ براتیوں پر سے بچھاور کی گئیں۔ جن سے نواب پیلیس کا برآمدہ تختۂ رنگزار بن گیا۔ سب لوگ ہال میں داخل ہوئے تختوں پر بیش قیمت ترکی قالینوں کا فرش تھا۔ کمخوابی۔ مخملی گاؤ تکیے لگے تھے۔ جن پر یہ مہذب گروہ بیٹھ گیا۔ پان، الائچی سب کی خدمت میں پیش ہوئے۔ آٹھ بجے بھوپال کے شیخ الاسلام شمس العلماء قاضی مفتی سید نورالہدی تشریف لائے۔ حاضرین محفل نے سرو قد ہو کر تعظیم کی۔ حق مہر فاطمی پر نکاح کا مقدس پڑھا ہونے لگا۔ قدسیہ بیگم پیازی ریشمی لباس پہنے ہال کے بغلی کمرے میں موجود تھی۔ ایجاب وقبول کے لئے اس کے چھوٹے چچازاد بھائی اندر آئے۔ جن کے استفسار پر قدسیہ بیگم نے ہونکاری بھر کر اپنی رضامندی ظاہر کی۔ خطبہ پڑھکر اور چھوہارے لٹاکر اسلامی مقدس فرض انجام پہنچا۔ نکاح نامے پر دولہا دلہن کے دستخط ہو کر ایک ایک نقل جانبین کے حوالے ہوئی۔ پھر اندر باہر کھانا اترا۔ کھانے سے فراغت پاکر زنانی مردانی محفلوں میں گراموفون سے حاضرین محفل کو محظوظ کیا گیا۔ بارہ بجے تو برات نے آرام کیا۔ صبح قدسیہ بیگم کی رخصت تھی۔ سویرے سویرے ناشتہ سے فارغ ہو۔ دلہن کو آراستہ کیا گیا۔ نکاح کا گلابی

جوڑا پہنایا گیا۔ جس پر سلمے ستارے کا نفیس کام تھا۔ اس سے قدسیہ بیگم کا حسن دوبالا ہو گیا۔ گلابی غرارے سے وہ ایسی خوب صورت معلوم دیتی تھی۔ جیسے پرستان کی پری۔ گلے میں ایک نہایت خوبصورت گلوبند اور چندن ہار تھا۔ کانوں میں گوشوارے۔ اور ہاتھوں میں نفیس نفیس چوڑیاں اور سرجڑے کڑے تھے۔ انگلیوں کو یاقوتی انگوٹھیاں زیب دے رہی تھیں۔ جب دلہن آراستہ ہو گئی۔ تو اسے عمدہ اور نفیس عطروں میں بسایا۔ اور اسے ایک آرام کرسی پر بٹھا دیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے رومال آنکھوں پر دھرے والدین کی جدائی کے غم میں کڑوے آنسو بہا رہی تھی۔ اس کے گرد اس کی ہمسن سہیلیاں بیٹھیں کرسیوں پر بیٹھیں اسے تسلی دے رہی تھیں۔ لیکن وہ ان کی تسلی سے اور زیادہ بیچین ہوئے جاتی تھی۔ اور اس کی آنکھیں کسطرح تھمنے کا نام نہ لیتی تھیں۔

جہیز کا سامان دوسرے کمرے میں رکھدیا۔ وہیں سب نے اپنے اپنے تحفے لا کر رکھ دیئے۔ کسی نے نفس درجن مخملی گدی دار کرسیاں دیں۔ کسی نے گول میز۔ کسی نے کپڑوں کی الماریاں۔ قدسیہ بیگم کی خالہ نے ایک کتابوں کی الماری دی۔ جو کہ نہایت خوب صورت تھی اس پر ایک ریشمی پردہ پڑا تھا۔ اس میں ایک سو پچیس عدد ہر فن دھر زبان کی کتابیں تھیں۔ قدسیہ بیگم کی سہیلی ڈاکٹر مس گریٹا نے ایک چرمی بکس دوائیوں کا دیا۔ جس میں ضروریات کی تمام دوائیاں تھیں۔ خدیجہ بیگم نے ایک چائے کا سٹ چاندی اپنی طرف سے میز پر رکھا۔ عائشہ بیگم کی طرف سے ایک خوبصورت ہار سونے کا۔ اور فرخندہ بیگم کی طرف سے ایک

چھوٹا سا خوشنا لیٹر بکس تھا۔ جس میں نہایت عمدہ اور خوبصورت کاغذی لفافے تھے۔ وٹنگ دوات۔ سیاہی پنسل۔ چاقو۔ غرض ضروریات لکھائی کی سب چیزیں موجود تھیں۔ نواب زمانی بیگم نے سب تحفے دیکھے۔ اور سب کا شکریہ ادا کر کے کہا۔

"میں اپنی چھوٹی فرخندہ بیگم کے تحفے کو بہت پسند کرتی ہوں۔ اس نے اپنی خالہ کو ایک بہت ہی اچھا تحفہ دیا ہے۔ جسے وہ سسرال جاتے ہی استعمال میں لائینگی۔ خدا ہماری فرخندہ بیگم کو علم و عقل میں سب سے افزوں کرے۔"

سب بیگمات نے باری باری سے جہیز دیکھا۔ اور دولہن کے کمرے میں جا کر اس سے ملیں۔ جب سب بیگمات جہیز دیکھ چکیں۔ تو سب سامان بند کر کے بکسوں میں رکھدیا۔ جنہیں دولہا والوں کے حوالے کر دیا۔ اس کام سے فراغت پاکر دولہا کو آرسی مصحف کی مقدس رسم کے لئے اندر بلایا۔ فصیح الملک قدسیہ بیگم کے سب سے چھوٹے چچا دولہا کو ہمراہ لیکر اندر آئے۔ دولہا نے سب بزرگ بیگمات کو آداب کیا۔ کمرے میں صرف قدسیہ بیگم کی چچیاں۔ پھوپھیاں۔ خالہ اور ممانیاں تھیں۔ کمرے کے وسط میں ایک چھوٹی گول میز کے پاس قدسیہ بیگم رومال سے منہ چھپائی شرم سے سر جھکائے کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کے پاس کی کرسی پر دولہا شہزادہ زاہد الاسلام بٹھائے گئے۔ ریشمی گلابی دوپٹہ دونوں کے اوپر ڈالا گیا۔ بیچ میں میز پر کلام اللہ اور آئینہ رکھا گیا۔ قدسیہ بیگم کی خالہ نے قرآن شریف کھول دولہا سے سورۂ قل ہو اللہ پڑھوائی۔ اور سورۂ یوسف کی سات آیتیں پڑھ کر آئینہ سے دلہن کا رخ انور دکھا۔ بعد ازاں قدسیہ

کی رونمائی اسے اٹھاکر دوسرے میں لیگئی۔ جہاں کے قدسیہ بیگم کی بہنیں سہیلیاں بیٹھی چقوں سے دولہا کو دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے ایک چاندی کی کشتی میں پان الائچی عطر سجاکر بہنوئی کو بھیجا۔ دولہا پان کھانے میں تامل کیا۔ اس خیال سے کہ کہیں اسمیں کچھ ملا نہ ہو۔ کیونکہ سالیاں عموماً ایسے موقع پر بہنوئی سے مذاق کیا کرتی ہیں۔ لیکن دولہا کا تامل دیکھ کر خلیا ساس نے کہا۔ بیٹا واحد الاسلام۔ پان الائچی بے کھٹکے استعمال کرو۔ یہاں بیہودہ مذاق سے احتراز ہے۔ دولہا نے پان منہ میں دبایا۔ عطر رومال پر چھڑکا۔ اور کشتی میں ایک پاؤنڈ رکھدیئے۔ ساس نے پوچھا بیٹا یہ پاؤنڈ کیسے ہیں۔ دولہا نے نہایت ادب سے جواب دیا۔ کہ جناب والدہ صاحبہ نے دیئے تھے۔ جو کہ غالباً جوتی چھپائی کی رسم کے ہیں۔ ساس نے کہا۔ بیٹا یہ فضول رسمیں ہیں۔ ہم نے ایسی سب رسمیں ترک کردی ہیں۔ اس لیئے تم اس رقم سے اپنی سالیوں کو معافی دو۔ فصیح الملک نے اشرفیاں اٹھاکر دولہا کی جیب میں ڈالدیں۔ محفل کی بیگمات انتظار میں تھیں۔ کہ زمانی بیگم داماد کو سلامی دیں۔ لیکن وہ سب انتظار سے تنگ آکر تنگ آگئیں۔ اور اندر سے دولہا کو سلامیاں آنی شروع ہوئیں۔

نواب زمانی بیگم نے سب کی سلامی واپس دیکر کہا۔

"میں یہ بھی رسم ترک کرنی چاہتی ہوں۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عزیزوں پر خوامخواہ کا بوجھ پڑتا ہے۔ جو کہ میں پسند نہیں کرتی اسلیئے سلامی سے ہمیں معاف کیا جائے"

فصیح الملک نے کہا۔

"بھابھی جان آپ کے اس روپیہ سے تو دولہا میاں خسارہ میں

Taj Tahir Foundation

رہے۔ (ہنس کر) تمہیں افسوس ہوگا۔ دولہا سے مخاطب ہو کر کیوں نہ بھائی واحد الاسلام میری رائے ٹھیک ہے نا؟" واحد الاسلام (مسکرا کر) خاموش ہو رہے۔ نواب زمانی بیگم نے ہنس کر کہا۔ "وہ فصیح الملک تمہیں سلامی کا بہت خیال معلوم ہوتا ہے تسلی رکھو۔ میں نے تمہارے دوست کو خسارے میں نہیں رہنے دیا۔ میں نے دانستہ اس وقت سلامی نہیں دی۔ کہ کسی کا دل آزردہ نہ ہو۔ اس لئے کہ آپ نے سلامی تو دیدی۔ اور ہم سے نہ لی۔ میں نے ان کی سلامی کے دو سو پاندان کے لباس کے ساتھ جہیز کے ٹرنک میں رکھ دیئے ہیں"

دولہا میاں سلام علیکم کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ساس نے دعا دیکر رخصت کیا۔ اتنے میں دس بج گئے۔ برات کے لئے کھانا اترا۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی رخصت کا وقت قریب ہو گیا۔ بارہ بجے کی گاڑی میں سوار ہونا تھا۔ اب قدسیہ بیگم کیلئے وقت آن پہنچا کہ وہ والدین کے گھر سے رخصت ہو کر نئی دنیا میں جائے۔ اس کا دل اس رنج سے چور چور ہو رہا تھا۔ آنکھیں سیل اشک بہا رہی تھیں ماں نے گلے لگا کر پیار کیا۔ تسلی دی۔ باپ نے پیار کر کے پیشانی چومی۔ اور ہاتھ پکڑ کر فنس میں سوار کیا۔ وہ سب کی دعائیں لیتی ہوئی سسرال سدھاری۔

Taj Tahir Foundation

بیسواں باب

ڈاکٹر خدیجہ جموں میں

گئے ایام رنج و غم کے دن آئے مسرت کے
بڑی مدت میں کالے منہ ہوئے سب ہائے فرقت کے

ڈاکٹر خدیجہ بیگم شادی سے فارغ ہو دہلی آئی۔ اور اپنے کام پر گئی۔ تو وہاں سے اسے تبدیلی کا حکم ملا۔ اس کا تبادلہ ریاست جموں و کشمیر میں ہوا۔ وہ اتنی دور کا تبادلہ سن کر حیران رہگئی۔ مگر سرکاری حکم تھا۔ انکار کا اس میں کوئی چارہ نہ تھا۔ مجبوراً اسے منظور کرنا پڑا۔ دہلی سے جانے کو اس کا دل نہ چاہتا تھا۔ بادل نخواستہ اس نے سامان سفر تیار کیا۔ عائشہ بیگم کو بھی اپنی ہمراہی میں تیار کیا! اور وہ سو بہن دیئی کے سب سے رخصت ہو جموں روانہ ہوگئی۔ دہلی میں ان کی جدائی سب سے زیادہ شاق شفقت آرا پر گذری۔ اور وہ رنج سے دل مسوس کر رہگئی۔

جب وہ جموں پہنچی۔ تو اسے لیڈی اسسٹنٹ سرجن کا عہدہ ملا۔ اور وہ ہسپتال کا چارج لیکر اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔ اسکا بنگلہ ایک پرفضا جگہ پر تھا۔ جہاں آس پاس معززین مسلمانوں کی کوٹھیاں دکان تھے۔ جو کہ سب کے سب تجارت پیشہ تھے۔ ڈاکٹر خدیجہ کی

بوجہ مسلمان ہونے کے ان لوگوں میں خوب آؤ بھگت ہوئی۔ اور اس کی بہت سے گھروں میں آمدورفت ہو گئی۔ بارہ بجے کا وقت تھا۔ خدیجہ ہسپتال سے فارغ ہو کر گھر آئی۔ ضروریات سے فارغ ہو کھانے پر بیٹھی تھی۔ کہ ایک عورت اسے بلانے آگئی۔ اس نے کہا۔ جناب ڈاکٹر صاحبہ راحت علیخاں سوداگر کی والدہ سیڑھیوں پر سے گر پڑی ہیں۔ ان کی دائیں کلائی میں سخت تکلیف ہے۔ ان کا خیال ہے۔ کہ کلائی ٹوٹ گئی ہے۔ انہوں نے مجھے آپ کو بلانے بھیجا ہے۔ آپ مہربانی کر کے ابھی چلیں۔ ڈاکٹر خدیجہ کھانے سے فارغ ہو۔ اس کے جانے کو تیار ہوئی۔ سواری موجود تھی۔ وہ سوار ہو۔ راحت علیخاں سوداگر کے پہنچی۔ راحت علی خاں کی والدہ درد سے کراہ رہی تھی۔ پاس دو ملازمہ عورتیں بیٹھیں ان کا بدن دبا رہی تھیں۔ خدیجہ بیگم پہنچی۔ تو جھٹ ملازمیں تعظیم کو اٹھیں۔ بیٹھنے کو کرسی دی۔ اور ڈاکٹرنی کے اشارے پر سب ضروری سامان حاضر کیا۔ ڈاکٹر خدیجہ نے والدہ راحت علیخاں کو کہا۔ آپ میری طرف کروٹ بدلیں۔ تاکہ میں دیکھوں۔ کلائی میں کیا نقص ہے والدہ راحت علی خاں نے اس کی طرف کروٹ بدلی۔ تو وہ اسے دیکھ کر حیران ہو گئی۔ تعجب سے اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور اس کے دل و دماغ میں خوشی کی لہر اٹھی۔ کیونکہ وہ اس کی مدت کی بچھڑی اماں تھی۔ اس کے دل میں خوشی و امید کا دریا موجزن ہوا۔ کہ میرے بھائی بھی دنیا میں موجود ہیں۔ فرط خوشی سے اس سے کام کرنا دوار ہو گیا۔ اس نے بمشکل اپنی دلی جوش کو دبایا۔ اور اس کی کلائی دیکھی۔ جو کہ گرنے کے سبب سے اتر گئی تھی اس نے کلائی چڑھا کر پٹیاں باندھیں۔ تو اس نے کہا۔

"والدہ راحت علیخاں۔ آپ نے مجھے پہچانا۔ کہ میں کون ہوں"۔

والدہ راحت علیخاں "ڈاکٹر صاحب۔ میری آنکھوں کی بینائی میں فرق ہے۔ اس لئے میں آپ کو پہچان نہ سکی۔ آپ مجھے اپنے اسم گرامی سے مطلع فرمائیں۔ تاکہ میں جلد آپ کو پہچان سکوں۔ کیونکہ آپ کی آواز میری کانوں کو آشنا معلوم ہوتی ہے"

خدیجہ "آپ سوچیں۔ میری آواز کس سے ملتا ہے۔ اور برسوں پہلے کے واقعات یاد کریں۔ تو امید ہے آپ کو یاد آ جائیگا۔ کہ میں کون ہوں"

والدہ راحت علیخاں کسی گہری سوچ میں پڑ گئی۔ چند منٹ بعد اس طرح بولی جیسے کوئی خواب پریشان دیکھ کر بڑبڑا اٹھتا ہے۔ اور کہا۔

"آہ۔ یہ آواز تو میری پیاری خدیجہ کی آواز سے مشابہ ہے۔ جس سی سننے کو کان ترس گئے ہیں۔ جس کے دیکھنے کو دل تڑپتا ہے۔ جس کے فراق میں روتے روتے آنکھیں جاتی رہیں۔ آہ۔ صد آہ۔ کہ اس پیاری سے ملنا نصیب نہ ہوا!"

خدیجہ "میری پیاری انا۔ آہ میں وہی تمہاری بدنصیب خدیجہ بیگم ہوں جس کے فراق میں تم نالاں ہوں"

ان لفظوں نے والدہ راحت علیخاں پر بجلی کا اثر کیا۔ وہ بے اختیار ہو کر اٹھی۔ اور خدیجہ کو گلے سے لگا لیا۔ فرط مسرت سے دونوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے ابل پڑے۔ جب دونوں کے دل کا غبار آنسوؤں کے راستے نکل چکا۔ تو انا نے کہا۔ پیاری بیٹی۔ تو اور ڈاکٹرنی۔ یہ کیسے ہوا۔ بچی کہاں ہے۔ نواب صاحب کدھر گئے۔

خدیجہ (آہ سرد بھر کر) "میری انا۔ کیا بتاؤں۔ تمہاری خدیجہ پر کیا کچھ گذرا"

فلک نے مجھکو بنایا ہی پیکر ہر سہ ستال شمع جگر سوز و دل لگا رہتی ہیں

آہ اس پر مصیبت کی ہولناک رات چھاگئی۔ ہوگی نے اسے در در پھرایا۔ اور اس نے وہ مصیبتیں جھیلیں۔ جس کے خیال سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ خدا کی مہربانی تھی۔ کہ اس نے میری سختی کے دن کاٹ دیئے۔ اور مجھے پھر مسرت کا دن دکھایا۔ پیاری انا۔ راحت و الفت کہاں ہیں۔ میری آنکھیں ان کی دید کے لئے بیتاب ہیں"۔

انا۔ "بیٹی صبر کرو۔ صبر۔ ابی تمہارے بھائی آجائیں گے۔ (خادمہ سے) جانثار جا۔ رمضانی کو کہو۔ کہ دونوں لڑکوں کو دوکان سے بلا لاؤ"۔

جانثار۔ "بیگم جی۔ صاحبزادے توکب کے دوکان سے آئے ہوئے ہیں وہ اس انتظار میں ہیں۔ کہ ڈاکٹر صاحبہ تشریف لیجائیں۔ تو گھر میں آئیں"۔

انا "جاؤ۔ پھر انہیں جلدی سے بلالاؤ۔ کہنا والدہ بلاتی ہے۔ اور ڈاکٹر صاحبہ تم سے ملنا چاہتی ہیں"۔

الفت علیخاں و راحت علی خاں دوسرے گھرے میں اس انتظار میں تھے کہ ڈاکٹرنی جائے۔ تو ہم اناپاس پہنچیں۔ وہ اس بات سے حیران تھے۔ کہ ڈاکٹرنی صاحبہ نے اتنی دیر کیوں لگادی۔ کہ جانثار خادمہ پہنچے۔ اور انا کا بلاوا بھیجا۔ دونوں بھائیوں نے تعجبانہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔ ڈاکٹر صاحبہ اور ہم سے ملاقات اس کے کیا معنی "جانثار تم سے غلطی سے کہا ہوگا۔ انا کے حواس درست نہیں بعض وقت وہ الٹ پلٹ باتیں کرنے لگتی ہے۔ تم واپس جاؤ

اور اچھی طرح پوچھ گچھ کرا دے۔"
جانثار:- "نہیں حضور۔ وہ اس وقت ہوش میں ہیں۔ اور ڈاکٹر صاحبہ کو پیاری خدیجہ کے نام سے مخاطب کر رہی ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ اور ان میں بہت سی باتیں ہوئیں۔ تب انہوں نے آپ کو بلا بھیجا۔"
خدیجہ کے نام سے دونوں بھائی چونک پڑے۔ تعجب سے منہ سے نکلا "ہیں۔ باجی؟"
اور کسی پوشیدہ کشش نے ان کے قدموں کو جنبش دی۔ اور وہ جلدی کمرے میں پہنچے۔
خدیجہ بھائیوں کے انتظار میں چشم براہ تھی۔ کہ دونوں بھائی آتے نظر پڑے۔ اللہ اللہ پورے چودہ برس بعد بھائیوں سے ملنا نصیب ہوا۔ پانچ ساڑھے پانچ برس کے بچھڑے تھے۔ کہ اب جوان ہو کر ملے۔ وہ بیتابانہ انداز سے اٹھی۔ اور گلو گیر آواز سے کہا۔ میرے پیارے بچھڑے ہوئے بھائیو! دونوں بھائیوں کی نظریں بہن کی نظروں سے ملیں۔ خواب کی طرح بہن کی صورت یاد تھی۔ دیکھتے ہی لپکے۔ بہن نے بھائیوں کو گلے سے لگا لیا۔ تینوں کی آنکھیں خوشی کے آنسو بہانے لگیں۔ جنہوں نے داغہائے جدائی کو پل بھر میں دھو دیا۔ وہ بھائیوں کو دیکھ دیکھ کر مسرت سے باغ باغ ہوئی جاتی تھی۔ اور خوش ہو کر خدا کا شکر ادا کرتی تھی کہ جس نے مدتوں کے بچھڑوں کو پل میں ملا دیا۔
اس نے جانثار کو بھیج کر بیٹی وہیں کو بلایا۔ فرخندہ کو دیکھ دونوں بھائی بہت خوش ہوئے۔ اور فرخندہ دونوں ماموؤں کو پا کر مسرت سے نہال ہو گئی۔ خدیجہ نے عائشہ بیگم کا تعارف یہ کہہ کر بھائیوں سے کرایا۔ کہ یہ تمہاری

بڑی بہن ہے۔ امید کرتی ہوں۔ کہ تم دونوں انہیں بہ ہمشیرہ سمجھوگے۔
اس کنبے نے کئی دن باتوں میں تمام کئے۔ کئی راتیں جاگ کر خوشی میں گذاریں۔ داستان غم کہی۔ اور سنی۔ اور اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھ کر نگجار رہنے لگے۔

اکیسواں باب
کشمیر کی سیر

بچھڑے مل جاتے ہیں جب بفضل خدا ہوتا ہی۔

الفت علی خاں کی منگنی ہو گئی تھی۔ خدیجہ نے بڑی مسرت و شادمانی سے بھائی کی شادی۔ دلہن آئی۔ تو اسے نہایت خوش خلق اور عقلمند پایا۔ وہ بھائیوں اور بھاوج کو دیکھ دیکھ کر خوشی میں پھولی نہ سماتی تھی۔

گرمیاں شروع ہوئیں۔ راحت علیخاں نے کہا۔ یہ گرمیاں ہم سب چل کر کشمیر میں گذاریں۔ اور اس کے اصرار سے سب کو کشمیر جانے پر آمادہ کیا۔ اور وہ سب کشمیر پہنچے۔ سری نگر میں راحت علیخاں نے تین مہینے کے لئے ایک عمدہ بنگلہ کرائے پر لیلیا۔ اور اس میں قیام پذیر ہوئے وہ سب مل کر ہر روز سیر کو جاتے۔ تو تمام تمام دن پہاڑوں کی سیر میں گذار دیتے۔ رات کو چاندنی کی سیر سے دل کو خوش کرتے ان کے ہر دن دن عید اور رات شب برات تھی۔

ایک خوش گوار دن جب کہ وہ پہاڑوں میں سیر کو گئے ہوئے تھے۔ دامن نے انہیں آگھیرا۔ تو وہ گاؤں کے چودھری کے ہاں جوان ہوئے جس نے انہیں اپنے مکان کی بالائی منزل میں ٹھہرایا۔ آسمان پر گھر چھائی ہوئی تھی۔ کہ بجری پڑنی شروع ہوئی۔ وہ سب کھڑکیوں سے بجری پڑتی دیکھنے لگے۔ جو آسمان سے زمین پر گالوں کی طرح گر رہی تھی۔ جسے دیکھ کر وہ بہت محظوظ ہوئی۔ فرخندہ نے کہا۔

"ماموں جان کشمیر کا یہ نظارہ مجھے بہت پسند آیا ہے۔ دیکھئے بجری زمین پر روشنی ہوئی روئی کی طرح پڑی کیسی پیاری معلوم دے رہی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے۔ کہ میں اس میں پھر دوں"۔

راحت علی خاں نے ہنس کر کہا۔

"واہ بھی فرخندہ تمہیں جو بات سوجھتی ہے۔ انوکھی ہی سوجھتی ہے۔ بھلا اس وقت بجری میں کون نکلتا ہے۔ دہی جسے جان دوبھر ہو"۔

الفت علیخاں۔ "فرخندہ بجری کی سیر تو کوئی نہیں کرتا۔ البتہ چاندنی رات میں پہاڑوں کی سیر بہت پرلطف ہوتی ہے۔ دعا مانگو۔ خدا بجری گرانی بند کرے۔ تو پھر میں تمہیں چاندنی میں پہاڑوں کی سیر کرا لاؤں"۔

فرخندہ۔ "بڑے ماموں جان آپ نے تو بات میرے دل کی سی کہی۔ میرے دل میں خیال تھا۔ کہ چاندنی رات کی سیر بہت پرلطف ہوگی۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی۔ کہ بجری گرنی بند ہو۔ دیکھئے۔ خدا نے بجری گرانی بند کر دی"۔

راحت علیخاں ۔" (ہنس کر فرخندہ سے) اللہ میاں کو تمہارا لحاظ کیوں نہ ہو۔
وہ ضرور ہی تمہاری خاطر سے بجری کو بند کریگا۔"

مسز الفت ۔" بھائی ۔ اس وقت تو خدا نے فرخندہ کی دعا قبول کر لی ۔ دیکھو
آسمان صاف ہونا شروع ہو گیا ہے ۔ اب چاہے ۔ تم اللہ میاں
کی مہربانی سمجھو ۔ یا فرخندہ کا لحاظ ۔"

قمری مہینے کی سولھویں تاریخ تھی ۔ آسمان صاف ہو کر چاند نکل آیا جس
کی نورانی چادر تمام پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پھیل گئی ۔ جس سے پہاڑیوں
کا حسن دوبالا ہو گیا ۔ الفت علی خاں نے کہا ۔

" چلو فرخندہ ۔ اب تمہیں ۔ چاندنی رات کی سیر کرا لائیں ۔
دیکھو چاندنی کیسی اچھی معلوم دے رہی ہے ۔"

الفت علی خاں ۔ راحت علیخاں اور فرخندہ سیر کو تیار ہوئے ۔ مسز الفت
نے عائشہ بیگم اور خدیجہ بیگم کو ہمراہ چلنے کے لئے کہا ۔ عائشہ بیگم نے کہا ۔

" میرے سر میں درد ہے ۔ اس لئے مجھے اس وقت کی سیر سے معاف
رکھا جائے ۔"

خدیجہ نے کہا " یہ کوئی وقت سیر کا نہیں ہے ۔ اس لئے میں بھی نہیں جاؤنگی ۔"
مسز الفت نے کہا " آپا جان اور باجی جان جائینگی ۔ تو میں بھی چلونگی
ورنہ نہیں ۔"

الفت علیخاں " خوب سب ایک ہی رنگ میں ہو گئیں ۔ بھلا باجی جان
آپ کو کس نے بتایا ہے ۔ کہ یہ وقت سیر کا نہیں ہے ۔ حالانکہ
چاندنی رات کی سیر تو بڑے لطف کی سیر گنی جاتی ہے ۔ اس
وقت میری ہی خاطر چاندنی کی سیر کی تکلیف کریں ۔ عائشہ بیگم

Taj Tahir Foundation

سے مخاطب ہو کر، آپا جان۔ آپ کے سر کے درد کا باعث تو بدبو ہے۔ جو اس مکان سے آ رہی ہے۔ کیونکہ کھال مویشی بھی اسی مکان میں ہیں۔ آپ چل کر ٹھنڈی ہوا کھائیں۔ تو انشاء اللہ سر کا درد جاتا رہیگا"

غرض الفت علی خاں کے اصرار پر سب جانے کو تیار ہوئیں۔ راحت علی خاں نے کہا۔

"پیدل چلو۔ سواریوں کو رہنے دو۔ سیر کا لطف اس وقت پیدل ہی چلنے سے آئیگا۔"

عائشہ بیگم۔ اور خدیجہ بیگم۔ فرخندہ بیگم۔ اور مسز الفت نے برقعے اوڑھ لئے۔ جانثار خادمہ اور عاشقو خادم لڑکا ہمراہ ہے سیر کو چل پڑے۔

پہاڑیوں پر رنگارنگ کے پھول چاندنی رات میں عجب بہار دکھا رہے تھے۔ کہیں سبزہ ہوا سے لہریں مار رہا تھا۔ کہیں پہاڑیوں کی ڈھلوان پر میلوں تک زعفران کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ سبزوں میں زعفرانی پھول عجب بہار دے رہے تھے۔ ہوا کے فراٹوں سے زعفرانی رنگ کا دریا لہریں مارتا نہایت عجیب سین معلوم دیتا تھا جسے دیکھ کر طبیعت نہایت مسرور ہوتی تھی۔ کہیں دھان کے کھیت تھے۔ یہ سب سیر کرتے۔ اور چاند کی چاندنی میں سیر کا لطف اٹھاتے دو میل نکل گئے۔ سامنے ایک اونچی چھوٹی سی پہاڑی تھی۔ مسز الفت نے کہا سیر ہی کیا ہوئی۔ جبکہ پہاڑی پر نہ چڑھے۔ آؤ فرخندہ پہاڑی پر چڑھیں۔ اور دیکھیں کون پہلے اوپر پہنچتا ہے۔ فرخندہ نے کہا۔ بڑی خوشی سے آئیے چڑھیں۔ لیکن ممانی جان کوئی شرط بدو۔ جو

پہلے اوپر پہنچے۔ وہ کچھ انعام پلائے۔ راحت نے کہا۔ جو پہاڑی پر پہلے پہنچے۔ اسے ایک اشرفی انعام میں ملے گی۔

مسز الفت (ہنسکر مذاق سے) بی کو خوب ہیں ہی چھچھورے نظر آ دیں۔ انعام بھی کیا اچھا تجویز کیا ہے۔ موئی اشرفی کیا۔ ہم تو کوئی خطاب بیں گے۔"

خدیجہ بیگم اور عائشہ بیگم دونوں ان کی باتیں سن سن کر اور خوش ہو ہو کر مسکرا رہی تہیں۔ جب انھوں نے مسز الفت سے خطاب کا لفظ سنا تو عائشہ بیگم نے کہا۔

"اچھا تم دونوں میں سے جو سب سے پہلے اوپر پہنچے۔ اسے ہم بہادر بیگم کا خطاب دیں گے۔ اور جو پیچھے رہ جائے۔ اسے سست بیگم کہیں گے۔"

فرخندہ "خالہ جان منظور۔ یہ شرط ہمیں یہ شرط دل و جان سے منظور ہے۔ آیئے مانی جان بسم اللہ کریں۔"

دونوں نے برقعہ اتار جاں نثار خادمہ کو دیدیئے۔ اور مند بلند پہاڑی پر چڑھنے لگیں۔ فرخندہ بیگم کے لئے پہاڑی پر چڑھنا مشکل امر تہا۔ کیونکہ آجتک اسے پہاڑی پر چڑھنے کا کبھی اتفاق ہی نہ ہوا تہا۔ وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کہا رہی تہی۔ لیکن مسز الفت تو تہی اسی نواح کی۔ وہ اپنی عمر میں کئی دفعہ ان پہاڑیوں پر چڑہی۔ اتری تہی۔ اس لئے اسے چڑہائی مشکل نہ معلوم دیتی تہی۔ اور وہ آسانی سے راستہ طے کئے جاتی تہی۔ مگر فرخندہ بیگم بھی تہی اارادے کی پکی۔ اور ہمت کی مضبوط وہ ٹھوکروں کی پرواہ نہ کرکے جلدی جلدی راستہ ــــــــــ

طے
کرنے کی کوشش میں تھی۔ آخر دونوں اکٹھی پہاڑی پر پہنچیں۔ پیچھے وہ چاروں تھے۔ فرخندہ تو تھک کر گھاس پر لیٹ گئی۔ جب وہ سب اوپر پہنچے۔ تو اسے لیٹا ہوا پایا۔ راحت علیخاں نے کہا۔

"بی۔ فرخندہ ہار گئیں نا۔ دیکھئے آپا جان وہ ہار کر لیٹی ہوئی ہیں" فرخندہ جلدی سے اٹھ بیٹھی اور کہا

"کون ہارا۔ ماموں جان ہارے جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ میں تو ممانی جان کے ہمراہ ہی اوپر پہنچی ہوں"

عائشہ بیگم نے کہا "پھر تو دونوں ہی انعام کی مستحق ہیں۔ ہم تم دونوں کو بہادر بیگم کا خطاب دیتے ہیں"

الفت علیخان "آپا جان۔ اصل میں خطاب کی مستحق تو فرخندہ بیگم ہے۔ کیونکہ اسے آجتک کبھی پہاڑی کی چڑھائی کا اتفاق ہی نہ ہوا تھا۔ وہ تو بارہا چڑھ چکی ہیں۔ اس لئے فرخندہ بیگم کو اول نمبر کا خطاب ملنا چاہئے"

عائشہ بیگم "بھائی بہادر بیگم نمبر اول فرخندہ بیگم۔ اور بہادر بیگم نمبر دوم مسز الفت ہوئیں"

راحت علیخاں (مذاق سے) "واہ بھابی جان خوب رہے۔ خطاب تو بڑی خواہش سے تجویز کرایا تھا۔ اور رہیں دوم"

مسز الفت (ہنسکر) "تو کیا جو مسز راحت ہوگی۔ وہ دو پھلانگوں میں پہاڑی پھاند جاویگی"

راحت "تو کیا۔ تمہاری طرح سست ہی ہوگی"

الفت (مسکرا کر) مسز راحت کیا ہوئی۔ پہاڑی بندر ہو گئی۔ جو در چھلانگوں سے پہاڑی پہاڑی پھاند جائیگی۔"

اس پر سب ہنس پڑے۔ مسز الفت نے کہا۔ کہ اب بولو؟ ہو گئے نا کھسیانے

راحت "کھسیانہ کون ہوا۔ تم ہوئی ہوگی۔ جاؤ بابا۔ میرا پیچھا چھوڑ دیں اکیلا آدمی۔ تم دونوں میاں بیوی مل کر تین بنانے والے ہو گئے۔ جاؤ مجھے معاف کرو۔"

اسی ہنسی مذاق میں یہ سب تھے۔ کہ یکایک آسمان پر کہر چھا گئی۔ اور بجری پڑنے لگی۔ راحت علی خاں نے کہا۔

"خوب پھنسے۔ چلو اب کہاں چلتے ہو۔"

فرخندہ "چھوٹے ماموں جان۔ دیکھئے نا۔ اللہ میاں نے کتنی جلدی جلدی میرے دل کی سب باتیں پوری کر دیں۔ یہ دیکھئے کیسی نرم نرم بجری ہے۔"

اس نے بجری کا گولہ بنا کر نمانی کی طرف پھینکا۔ بجری اس کے تمام کپڑوں پر پھیل گئی۔ راحت علی خاں نے ہنسی سے شور مچایا۔ اور کہا۔

"خوب کیا۔ فرخندہ۔ بھابی سے ایسا ہی چاہئے تھا۔"

الفت علی خاں نے کہا۔

"اب ہنسی مذاق کو جانے دو۔ اور کہیں جائے پناہ ڈھونڈو ورنہ واپس جائے قیام پر تو جاتے جاتے بجری سب کا کام تمام کر دے گی۔

خدیجہ بیگم نے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ تو اسے دور سے ایک جھونپڑی نظر آئی۔ جہاں کہ ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ خدیجہ نے کہا۔

Taj Tamir Foundation

"انفت دیکھو۔ تو وہ کسی کی جھونپڑی ہے۔ وہاں چلیں۔ اور باقی رات وہیں گذار کر صبح جائے قیام پر جائینگے۔"

الفت "ہے تو جھونپڑی۔ چلو وہیں چلیں۔ مجھے کوئی عذر نہیں۔"

سب تیز قدمی سے جھونپڑی کی طرف روانہ ہوئے۔ جب جھونپڑی کے نزدیک پہنچے۔ تو راحت علیخاں نے کہا۔

"تم سب یہاں ٹھہرو۔ ہم جاکر جھونپڑی کے مالک سے وہاں رات گذارنے کی اجازت حاصل کریں۔ اس طرح ذرا نہ گھستے سے کہیں وہ ہمیں اندر داخل نہ ہونے دے۔ تو پھر کیا کریں گے۔"

سب عورتیں درختوں کے نیچے کھڑی ہو گئیں۔ راحت نے جھونپڑی کے دروازے دستک دی۔ اندر سے ایک نورانی صورت درویش نکلا۔ راحت نے کہا۔

"باباجی۔ ہمیں بجری نے آلیا ہے۔ ہمارے ساتھ عورتیں ہیں۔ اور ہمارا جائے قیام دور ہے۔ آپ اجازت دیں۔ تو ہم رات یہاں گذار لیں۔"

درویش نے کہا۔

بلیٹا۔ درویش کی جھونپڑی آرام کی جگہ تو نہیں ہو سکتی مگر یہی جھونپڑی کا دروازہ کھلا ہے۔ تمہارا دل چاہے۔ تو اندر آجاؤ۔ اور جس طرح ہو سکے رات گذار لو۔"

اتنا کہہ کر وہ درویش جھونپڑی میں واپس گیا۔ اور ایک چراغ لیکر پھر آیا اور ان کو روشنی دکھا کر کہا! اندر جاؤ۔

Taj Tamir Foundation

راحت علیخاں والفت علیخاں سب کو لے کر اندر آ گئے۔ باہر سے تو جھونپڑی ایک شکستہ سی لکڑیوں کا ڈھیر معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اندر سے وہ نہایت صاف پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ اس میں متعدد کمرے تھے۔ جو کہ نہایت خوشنمائی سے بنے ہوئے تھے۔ درویش نے کہا۔

بابا یہ کمبل اٹھالو۔ اور اس سامنے کی سہ دری میں بی بیوں کو بچھا دو۔"

راحت علی خاں نے کہا" عاشقو کمبل اٹھا اس دری میں بچھا دے"
اس نے کمبل اٹھائے۔ تو پورے درجن بھر تھے۔ اس نے کچھ تو زمین پر بچھا دیئے۔ سب عورتیں ان پر بیٹھ گئیں۔ اور باقی انہوں نے اوڑھ لئے۔ وہ سب سردی سے کانپ رہی تھیں۔ کمبلوں میں گرم ہو کر وہیں لیٹ گئیں۔

راحت علیخاں اور الفت علی خاں کو درویش نے اپنے بستر پر جگہ دی۔ طاق سے دو سمور کی پوستینیں اتار کر دونوں کو اڑھائیں اور خود بھی کمبل اوڑھ کر بستر کی ایک طرف بیٹھ گیا۔ اور سر جھکا کر تسبیح پھیرنے لگا۔

جھونپڑی کے باہر ہوا کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ بادل کی کڑک سنائی دے رہی تھی۔ الفت علی خاں نے راحت علی خاں کی طرف دیکھ کر کہا۔ شکر ہے۔ ہم پناہ کی جگہ آ گئے۔ ورنہ خدا جانے طوفان سے سب کا کیا حشر ہوتا۔

درویش نے الفت علی خاں کی آواز سنکر سر اٹھایا۔ اور ان سے موسمی ہواؤں پر گفتگو چھیڑ دی۔

Taj Tahir Foundation

خدیجہ کے کان میں باتوں کی آواز پڑی۔ تو درویش کی آواز سے
وہ چونک پڑی۔ جلدی سے اٹھہ بیٹھی۔ مسز الفت نے کہا۔

"باجی جان۔ آپ کیوں اٹھہ بیٹھیں۔ لیٹی رہتیں۔ ذرا بخار تو
اترنے دیتیں"

اس نے اس کی باتوں کا کچھہ جواب نہ دیا۔ اور سہ دری میں درویش
کی صورت دیکھنے کی خواہش میں جا کھڑی ہوئی۔ الفت علیخاں نے
بہن کو سہ دری میں کھڑے دیکھا۔ تو اس نے کہا۔

"باجی جان۔ آپ یہاں کیوں آ کھڑی ہوئیں۔ کیوں؟ کیا ہے؟"

الفت علی خاں کی آواز سن کر درویش کی آنکھیں بھی کسی پوشیدہ
کشش نے سہ دری کی طرف پھیر دیں۔ خدیجہ نے ان کی طرف
دیکھا۔ اس کے منہ سے بے اختیار ایک چیخ نکلی۔ اور اس نے کہا۔

"میرے پیارے ابا جان۔ آپ اور یہ جھونپڑی۔۔۔"

اور وہ بے اختیار بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ اس کی آواز نے درویش
پر بجلی کا اثر کیا۔ ان کے بدن کو جنبش ہوئی۔ اور وہ جلدی سے اٹھہ
خدیجہ کے پاس پہنچے اس کا سر اٹھا۔ سینہ سے لگایا۔ اور بیہوش
ہو گئے۔ راست علیخاں۔ الفت علیخاں۔ عائشہ بیگم۔ فرخندہ بیگم
مسز الفت ان کی بیہوشی سے حیران رہ گئے۔ تعجبانہ نگاہوں سے
ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اور انہیں ہوش میں لانے کی تدبیریں
کرنے لگے۔ درویش کی جھونپڑی میں انہیں اور تو کچھہ نظر نہ آیا۔ ایک
طرف ٹھنڈا پانی تھا۔ اسے لے کر ان پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ تو دونوں
ہوش میں آئے۔ خدیجہ نے کہا۔

Taj Talim Foundation

"میرے ابا جان آہ آپ کی دید کو آنکھیں ترس گئیں تھیں۔ پر آپ نظر نہ آتے تھے۔ میرے اچھے ابا جان آپ یہاں کس طرح پہنچے"۔

درویش رحمدر اصل میر جودت علی خاں تھے۔ انہوں نے خدیجہ کا سر سینے سے لگالیا۔ آنکھوں کے آنسوؤں کے چشمے ابل پڑے۔ اور گلوگیر آواز سے کہا۔

"پیاری بیٹی۔ کیا بتاؤں۔ کس طرح یہاں پہنچا۔ آہ صدآہ میں نے جان بچانے کو بہت سے دکھہ جھیلے۔ تب کہیں مجھے سر چھپانے کو جھونپڑی نصیب ہوئی۔ اور میں جان چھپانے کو ان پہاڑوں میں آچھپا اس امید پہ۔ کہ شاید کبھی تمہاری دید نصیب ہو۔ سو خدا کا شکر ہے۔ کہ اس نے میرے گناہ معاف کئے۔ اور تمہیں مجھہ سے لاملایا۔ پیاری خدیجہ الفت اور راحت کہاں ہیں"۔

الفت علی خاں اور راحت علی خاں جو ان دونوں کے گرد کھڑے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ جب انہوں نے باپ سے اپنا نام سنا۔ تو آگے بڑہے۔ اور باپ کی قدم بوسی کی۔ انہوں نے دونوں کو سینے سے لگالیا۔ ان کی پیشانیاں چوم چوم کر دل کو شاد کیا۔ زخندہ بیگم مسز الفت اور عائشہ بیگم نے مؤدبانہ سلام کیا۔ خدیجہ بیگم نے انہیں باپ سے ملایا۔ انہوں نے سب کے سر پہ شفقت کا ہاتھہ پھیرا۔ سب ان کے گرد بیٹھہ گئے۔ تو انہوں نے ہاتھہ بلند کر کے کہا۔

"خدایا تیرا لاکھہ شکر ہے۔ کہ تونے اپنے فضل سی کرم سی

مجھ عاجز بے نوا پر رحم کیا۔ اور اپنی قدرت کاملہ سے میری بچوں کو اس جنگل میں لاکر کیسے ملایا۔ اے خدایا۔ جس طرح مجھ نقیر پر تو نے اپنا کرم کیا ہے۔ ایسا ہی کرم میرے بچوں پر کیجیو! اور انہیں انہیں دنیا میں شادان رکھیو۔ آمین"

جھونپڑی کے اندر وہ سب بیٹھے خوشیاں منا رہے تھے۔ اور اپنا اپنا دل سنا کر ملاپ کی خوشی میں پھولے نہ سماتے تھے۔ باہر ہوا خوشی سے خراٹے بھر رہی تھی۔ اور آسمان پر فرشتے ان کے ملاپ کی خوشیاں منانے میں مشغول تھے۔

بائیسواں باب
فرخندہ بیگم کی شادی

یہ تازہ نغمہ پھر مبارک ہو سب کو
مبارک ہو شادی فرخندہ سب کو

یہ خوش نصیب کنبہ چار دن تک اس جھونپڑی میں مقیم رہا بعد ازاں راحت علی خاں دولت علی خاں باپ کو بڑے اصرار سے اپنے ہمراہ رے کر سری نگر آئے۔ اور وہاں چند دن گذار کر جموں پہنچے خدیجہ بیگم نے باپ اور بھائیوں کے اصرار پر ملازمت سے استعفا دیدیا سب نے دہلی کی صلاح پسند کی۔ اور جموں سے سوداگری کی

دوکان اٹھا سب دہلی آ گئے۔

ان لوگوں کی آمد سے نواب شفقت آرا بیگم کو بیحد خوشی ہوئی اس نے انہیں ایک پر تکلف دعوت دی۔

راحت علی خاں اور الفت علی خاں نے کپڑے بننے کا کارخانہ کھول دیا۔ جو کہ تھوڑے عرصہ میں بہت ترقی کر کے تمام اطراف واکناف میں مشہور ہو گیا۔ راحت علی خاں کی شادی بیگم آصف جنگ کی لڑکی سے ہوئی۔ اور یہ خوشحال کنبہ دہلی میں معززین شمار ہو کر مسرت بھری زندگی گذارنے لگا۔

اسفندیار نے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ تو شفقت آرا نے خدیجہ بیگم پر شادی کا تقاضا شروع کیا۔ خدیجہ بیگم کو کیا عذر تھا۔ فرخندہ بیگم ماشاء اللہ جوان تھی۔ تعلیم سے فارغ ہو چکی تھی۔ اس نے منظور کر لیا اور جانبین سے مشورہ ہو کر شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

فرخندہ بیگم کی شادی سے چند دن پہلے خدیجہ باپ کے ہمراہ لاہور گئی۔ اور سوتیلے بیٹوں کے ہاں جا اتری۔ وہ سب انہیں مردہ متصور کئے بیٹھے تھے۔ جو یہ صحیح سلامت جا پہنچے۔ شرماشری سے ان کی آؤ بھگت کی۔ خدیجہ بیگم نے آٹھ دن لاہور قیام کیا۔ اور سب سے شادی پر آنے کے وعدے لے کر واپس دہلی آئی۔

شادی کے دو دن پہلے فرخندہ بیگم کے چاروں بھائی مع سب اولاد کے دہلی آ گئے۔ چاروں بھائی بہن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے زمانہ کا سرد گرم بہت کچھ دیکھ چکے تھے۔ بہن کے مل جانے سے بہت خوش ہوئے۔ فرخندہ بیگم بھائیوں بھاوجوں کی آمد سے

نہایت مسرور تہی۔ اور اپنے اردگرد بھتیجے بھتیجیوں اور انکے بچوں کا ہجوم دیکھکر پہولی نہ سماتی تہی۔
آخر بغیر کسی دہوم دہام کے شادی کا مبارک دن آن پہنچا۔ بھوپال سے نواب زمان بیگم اور بمبئی سے شہزادی قدسیہ بیگم اور انکے شوہر شہزادہ واحدالاسلام کے علاوہ دیگر معزز مہمانوں نے وقت مقررہ پر جودت لاج زیبو خوب خوشبودار پہولوں اور رنگ برنگ جھنڈیوں سے عروسِ نوبہار بنا ہوا تھا) میں خوب چہل پہل ہوگئی۔ برات آنے پر نواب مظفرالدولہ نے خوشی کے شادیانے بجوائے۔ اور نکاح ودیگر رسوم کی ادائیگی کے بعد اپنے شایاں شان جہیز دے کر فرخندہ کو شفقت آرا کے سپرد کرکے رخصت کردیا۔

خاتمہ

شادی کے چار برس بعد جب کہ فرخندہ دو پہلروا سے بچوں کی ماں بن چکی تہی۔ خدیجہ بیگم عائشہ بیگم اور میر جودت علی خاں ان کو خوش وخرم چھوڑ کر کعبہ کو سدھارے۔ اور حج کے فریضہ کو ادا کرکے مدینہ شریف میں در رسول ؐ کی پاسبانی میں زندگیاں تمام کردیں ؁

تمام شد

Taj Tahir Foundation